www. kdigest.com

صرف تمہارا

سلمیٰ گل

سوچا نہیں اچھا برا‘ دیکھا سنا کچھ بھی نہیں
digest Novels Lovers group ❤️❤️
مانگا خدا سے رات دن تیرے سوا کچھ بھی نہیں
سوچا تجھے‘ دیکھا تجھے‘ چاہا تجھے‘ پوجا تجھے
میری خطا میری وفا‘ تیری خطا کچھ بھی نہیں

"علیشا‘ عادل اور ہارون کہاں ہیں؟ کافی دیر ہو گئی ہے میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

"لیجیے جناب! آپ نے یاد کیا اور ہم حاضر۔" اسامہ نے لائبہ سے ان تینوں کی بابت دریافت کیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتی حسب معمول عادل بوتل کے جن کی طرح نازل ہوا تھا۔

"آپ کو یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ تو ہمہ وقت......" اسامہ نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"خبردار! جو مجھے ہارون کے بھائی بند سے ملایا تو۔" وہ بھی کہاں چوکنے والا تھا۔ اسے جواب دیتے دیتے ہارون کو بھی بیچ میں گھسیٹ لیا۔ وہ جو خاموش کھڑا ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہا تھا‘ دفعتاً چلا اٹھا۔

"تُو مجھے کیوں بیچ میں گھسیٹ رہا ہے؟"

"تُو برا مت مان یار! اب دیکھ تو میرا دوست ہے اور اچھے برے وقت میں دوست ہی کام آتے ہیں اور اس وقت میرا برا وقت چل رہا ہے۔ ایک تو ہی تو ہے جو میرے ہر برے وقت میں کام آتا ہے۔"

"واہ تو نے مجھے احمق سمجھ رکھا ہے کیا؟ بات بے بات ٹانگ کھینچتا رہتا ہے۔ تو اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔ ایک میں ہی الو دکھتا ہوں تجھے؟" وہ یکلخت برہم ہوا تھا۔ سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"آئم سوری یار! میں تو صرف مذاق کر رہا تھا تو تو برا مان گیا۔" عادل نے نہایت سنجیدگی سے معذرت کی تھی۔ ہارون نے سب کے چہروں پر نظر دوڑاتے ہوئے ایک دم قہقہہ لگایا تھا۔

"کیا یار تم لوگ بھی۔ عادل نے مذاق کیا۔ میں نے بھی جواب میں برہمی دکھا دی مذاق میں۔ اس میں اتنا سیریس ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میں تو کبھی خلاف توقع آج تو ہارون کو غصہ آ ہی گیا ورنہ عادل کی بات پر ہارون صاحب کے موڈ پر اثر ہو جائے یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا...... قطعی ناممکن۔" علیشا نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے ہارون پر دانستہ چوٹ کی تھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے کافی دیر ہو گئی ہے۔" اس سے پہلے کہ کوئی مزید کچھ کہتا اسامہ نے گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے ان سب سے کہا تھا۔

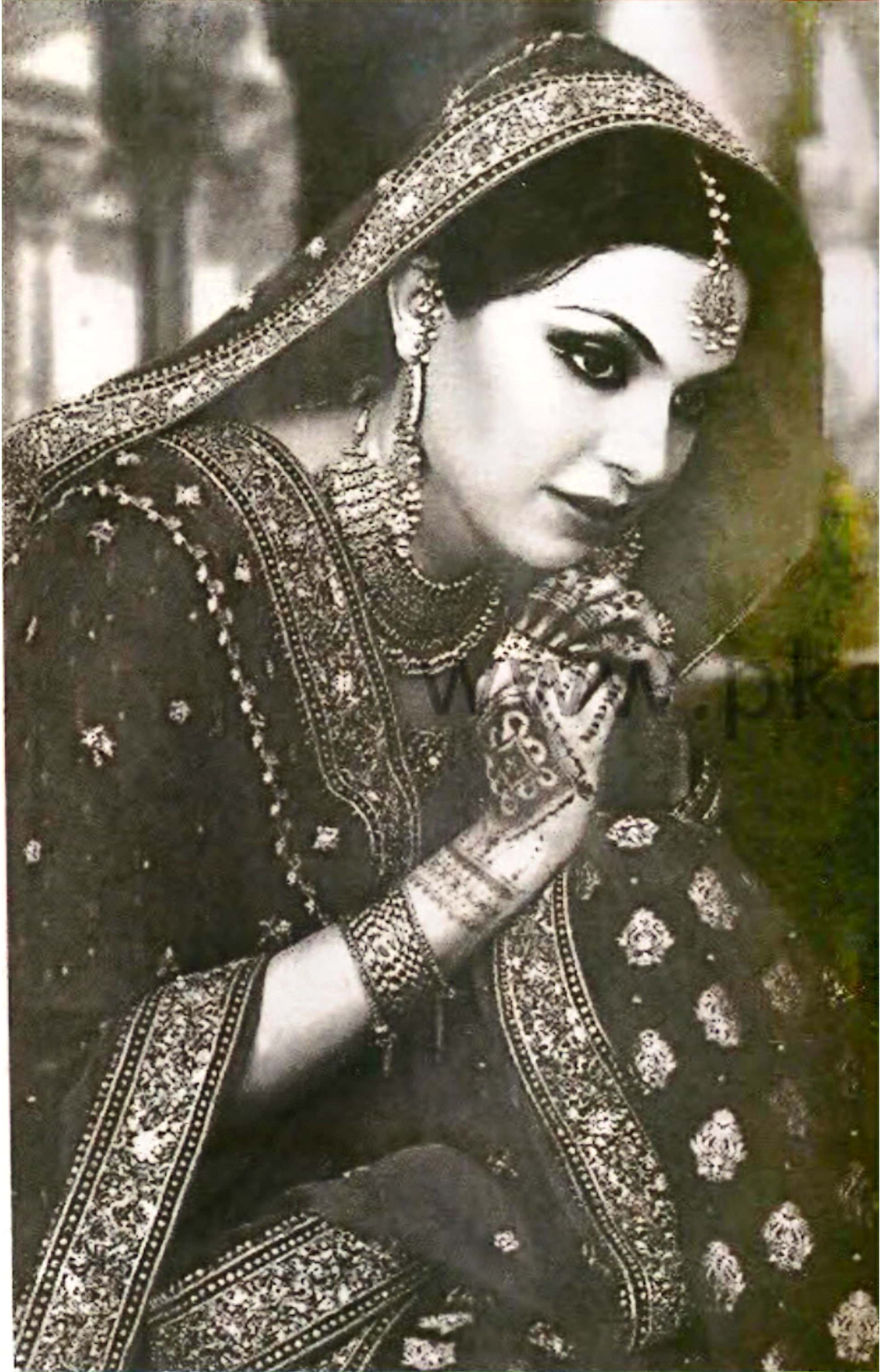

"آج تو واقعی دیر ہوگئی۔" لائبہ نے اٹھتے ہوئے تائید کی تھی۔

"گرلز! تم لوگوں کو پتہ ہے کل ایک بہت ہی خاص دن ہے......" قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے یکلخت عادل پرجوش ہوا تھا۔

"جی ہاں ہم......" اس سے قبل کہ علیشا کچھ کہتی لائبہ نے اس کا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے روکا تھا۔

"کل کیا خاص دن ہوسکتا ہے یار؟ ویسا ہی ہوگا جیسا ہمارا ہر دن گزرتا ہے انتہائی بور۔" لائبہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا ساتھ ہی عادل کی جانب کن اکھیوں سے دیکھا جس کے چہرے سے بے یقینی اور مایوسی جھلکنے لگی تھی۔

"لائبہ ٹھیک کہہ رہی ہے ہمارے لیے تو ہر دن ایک سا ہی ہوتا ہے کسی دن میں بھی کوئی خاصیت نظر نہیں آتی۔ ویسی ہی صبح' دوپہر اور شام۔" ہارون کے یوں مصنوعی دل گرفتگی سے کہنے پر سب ہی نے اپنی امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بہ وقت کنٹرول کیا تھا۔

"یعنی تم لوگوں کے لیے کل کا دن کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا؟" عادل نے بے یقینی سے دیکھا تھا۔

"اوفوہ یار! تم یہ بے وقوفانہ انداز مت اختیار کرو پلیز اگر واقعی کوئی خاص دن ہے تو بتادو ناں اب ہمیں تو یاد آنے سے رہا۔" اسامہ نے تو حد ہی کردی۔ گہری سنجیدگی لیے اکتایا ہوا سا لہجہ۔ عادل نے پل بھر کو دیکھتے ہوئے لب بھینچ لیے۔

"اوکے اگر تم لوگوں کو یاد نہیں تو رہنے دو۔ چلو چلتے ہیں دیر ہورہی ہے۔" وہ مایوسی سے کہتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

"کیا یار لائبہ! کیوں بتانے نہیں دیا اسے؟ دیکھا نہیں بے چارے کا منہ کیسے لٹک گیا...... کتنا مایوس ہوا ہے آج وہ۔" علیشا نے حسب معمول عادل کی سائیڈ لی تھی۔

"تم تو چپ ہی رہو خبردار مزید کچھ بولیں تو...... ہم اسے کل سرپرائز دینے والے ہیں شاندار سا دیکھنا سب کچھ بھول جائے گا وہ۔" ہارون کے کہنے پر اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اوکے ڈیسائیڈ ہوگیا کل عادل کی سرپرائز برتھ ڈے پارٹی ہے اور شام کو ہم سب شاپنگ پر چلیں گے ماسوائے عادی کے...... اور ہاں علیشا اگر عادی کو اس بات کی بھنک بھی پڑی تو تمہاری خیر نہیں۔" لائبہ نے تنبیہہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں بتاؤں گی اب ایسی بھی پیٹ کی ہلکی نہیں۔" اس کے منہ پھلا کر کہنے پر تینوں مسکرا دیے تھے۔

"ویسے لائبہ! تمہارا انسانوں کی اس بھیڑ میں گم ہونے کا ارادہ کب تک ہے؟"

"کیا مطلب......؟" اس نے ناسمجھی سے اسامہ کی جانب دیکھا تھا۔

"یار ہمارے اسٹیٹس کے لوگ جب پریکٹیکل لائف میں قدم رکھتے ہیں یعنی اپنے اباؤں کے بزنس میں انوالو ہوتے ہیں اور اسے مزید آگے ہی آگے لے جانے میں سرگرداں رہتے ہیں تو اسے انسانوں کی بھیڑ میں کھو جانا ہی تو کہتے ہیں۔ ایسے میں کسی بھی بات کا ہوش کب رہتا ہے...... مزید آگے ہی آگے...... زیادہ سے زیادہ کی خواہش میں گم ہوجاتے ہیں زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی جدوجہد رہتی ہے۔ ہم سب نے تو اس بھیڑ میں قدم رکھ دیا ہے۔ اب تو یہ محترمہ علیشا صاحبہ بھی اپنی حاصل کردہ ڈگری کو بروئے کار لانے کی کوشش میں مصروف عمل ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے اپنے پاپا کا بزنس جوائن کروگی یا کچھ اور......؟"

"آف کورس یار اپنے ڈیڈی کا بزنس ہی جوائن کرے گی اور کیا...... کیوں لابی؟" ہارون نے ہمیشہ کی طرح اس کے نام کو مزید مختصر کرتے ہوئے کہا تھا۔

igest.com

"پتہ نہیں میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں؟ ابھی فی الحال تو میرا کوئی موڈ نہیں ہے لیکن ڈیڈی کا بزنس تو مجھے ہی سنبھالنا ہے۔ اب جوائن کروں یا کبھی بھی...... اس سے قبل مجھے ماما کو تو انفارم کرنا ہی پڑے گا اور تم لوگ جانتے ہو یہی میری سب سے بڑی پرابلم ہے۔"

"چاہے جو بھی ہو وہ ہیں تو تمہاری ماما ہی نا...... تمہارا سلوک ان کے ساتھ قطعی ٹھیک نہیں ہے۔ تم ان سے اس بارے میں بات کرنا نہیں چاہتی اور وہ تمہیں کچھ کہیں گی نہیں جب تک تم خود نہیں کہوگی۔ ان کے نزدیک تمہاری خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن تم......"

اس کے لفظ "خوشی" پر وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

"اسامہ پلیز! اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔ فی الحال چلو عادی انتظار کر رہا ہوگا۔"

اس کے اس طرح بیزاری سے بات بدلنے پر ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور اس کے پیچھے چل دیے۔

کل کا پلان ترتیب دینے کے بعد سب ہی چلے گئے تھے مگر وہ ابھی تک وہیں اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ گھر جانے کا اس کا قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہاں جانے کا سوچ کر ہی اس کے اندر بے چینی اور ویرانی اترنے لگتی تھی۔ اس وقت بھی اس کا یہی حال تھا۔ بہت سارے پل ایسی ہی لایعنی باتیں سوچتے ہوئے گزر گئے مگر وہ کب تک وہاں کھڑی رہ سکتی تھی۔ چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے...... جانا تو تھا ہی...... اپنی بے بسی پر ہنستے ہوئے وہ فرنٹ ڈور کھولنے لگی تھی تب ہی کچھ فاصلے پر کھڑے بچے کی منحنی سی آواز پر وہ چونک کر رکی تھی۔ وہ تقریباً نو دس سال کا قدرے سانولی سی رنگت والا کمزور سا بچہ تھا جو ایک شکل وصورت اور حلیے سے اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھنے والے آدمی سے بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ شخص مسلسل اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بچہ بڑی ڈھٹائی سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا بالآخر اس شخص نے انتہائی مجبوری کے عالم میں ایک سکہ اس کے چھوٹے سے ہاتھ پر رکھا تھا۔ اس شخص کی اتنی سی عنایت پر بھی بچے کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ وہ بہت غور سے اس بچے کو دیکھے جارہی تھی۔ پہلے بھی کئی بار وہ ایسے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھ چکی تھی اور اس شخص کی طرح کبھی کسی کو کچھ دے دیتی اور کبھی نظرانداز کر دیتی مگر آج جانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ اس طرح کھڑی اسے دیکھے جارہی تھی...... تب ہی اس بچے کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔

وہ برق رفتاری سے اس کی جانب لپکا تھا۔

"اللہ کے نام پر دے دو باجی۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔" وہ چھوٹا سا بچہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی جس کا چہرہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ بھوکا ہے۔ اس کا اس طرح خاموشی سے دیکھے جانے پر وہ سمجھا شاید یہاں سے کچھ ملنے والا نہیں تب ہی وہ مایوس سا پلٹنے لگا۔

"رکو۔" اس کی آواز پر وہ تیزی سے پلٹا۔ اس نے گاڑی سے بیگ اٹھایا اور بڑی فراخ دلی سے چند نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔ اتنے سارے نوٹ دیکھ کر چند پل وہ بچہ خوشی کے مارے کچھ بول ہی نہ پایا۔ بولا تو بس اتنا بولا۔

"کیا یہ سب میرے ہیں؟" اس کی معصومیت دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ہاں یہ سب تمہارے ہیں۔" اس کے چہرے پر خوشی دیکھ کر اسے انجانی سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔ چند لمحے قبل تک کی بے چینی کہیں دور جا سوئی تھی۔ وہ بچہ خوشی خوشی پلٹنے لگا تب ہی اس نے پکار لیا۔

"سنو......" اس کی آواز پر وہ پلٹا تھا۔ "کیا تمہیں

بھوک لگی ہے؟“ اس کے استفسار پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”جی ہاں۔“

”کھانا کھاؤ گے؟“

جواباً اس کے نفی میں سر ہلانے پر اس نے حیرت سے دیکھا۔

”کیوں بھئی تمہیں تو بھوک لگی ہے ناں......“

”بھوک تو لگی ہے مگر میرے دادا اور میری چھوٹی بہن کو بھی بھوک لگی ہے۔ پہلے میں انہیں ان پیسوں سے کھانا کھلاؤں گا۔ دو دن سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ میرے دادا بیمار ہیں اگر انہوں نے کچھ نہ کھایا تو وہ مر جائیں گے۔ اگر وہ مر گئے تو ہم بالکل اکیلے ہو جائیں گے۔ ہم اکیلے کیسے رہیں گے؟“ وہ چھوٹا سا بچہ اس سے سوال کر رہا تھا اور وہ حیرت اور تاسف سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”بیٹا! تم کہاں رہتے ہو؟“ اس کے پوچھنے پر وہ جانے کون کون سے راستے سمجھانے لگا۔ اس کے معصومیت بھرے انداز پر وہ دکھی دل سے مسکرا دی۔

”اگر تمہیں گھر جانا ہے تو میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں۔“ اس کے کہنے پر وہ چند پل حیرت سے دیکھتا رہا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے اس کی گاڑی میں کچھ جھجکتے ہوئے بیٹھ گیا۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ اسے حیرت اور استہزائیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر اسے کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ آج اس کے محسوسات کچھ عجیب سے ہو رہے تھے جنہیں وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پورا راستہ وہ اس سے باتیں کرتی رہی۔

اس عرصے میں وہ اتنا جان گئی تھی کہ اس کے ماں باپ حیات نہیں ہیں۔ ایک دادا ہیں وہ بھی معذور اور بیمار۔ اس کا نام اصغر ہے۔ اس کی سات سالہ بہن فاطمہ ہے۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا یہ جان کر کہ یہ چھوٹا سا بچہ اپنے دادا کا اور اپنی بہن کا پیٹ پال رہا ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنی بڑی ذمے داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اس کا گھر ایک کچا جھونپڑی نما کمرہ تھا جس کا ایک پٹ اکھڑا ہوا تھا۔ اندر کی حالت اتنی ابتر تھی جتنی باہر کی۔ دو ڈھیلی جھلنگا نما چارپائیاں تھیں۔ ایک چارپائی پر اس کا معذور دادا لیٹا ہوا تھا اور دوسری چارپائی پر فاطمہ ٹانگیں لٹکائے اپنا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیے کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔ کھٹکے کی آواز پر اس نے تیزی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ اصغر کے ہاتھ میں کھانا دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے اس کی جانب لپکی مگر اسے ساتھ دیکھ کر ٹھٹک گئی اور اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں حیرت لیے دیکھنے لگی۔

اصغر نے کھانا فوراً نکال کر دادا کو دیا تھا اور وہ دو دن کے بھوکے کھانا دیکھ کر اس کی موجودگی کو بھی بھول بیٹھے تھے۔ وہ وہیں چارپائی کے ایک سرے پر ٹک گئی۔ اصغر مٹی کے مٹکے سے سلور کے گلاس میں پانی بھر کر اس کے پاس لے آیا۔ اس معصوم بچے کے دل میں یہ قطعی خیال نہیں آیا تھا کہ ایک امیر لڑکی اس سلور کے گلاس میں مٹکے کا پانی پیئے گی بھی یا نہیں...... وہ بچہ تھا معصوم تھا مگر اس نے بھی اس کے معصومیت بھرے انداز کو حقارت سے نہیں دیکھا تھا۔ خاموشی سے گلاس تھام لیا۔

آج ہر کام ہر احساس معمول کے خلاف تھا۔ اگر اس وقت اس کے دوست یا اس کی فیملی میں سے کوئی اسے یہاں دیکھ لے تو شاید وہ بے ہوش ہو جائے یا پھر اسے پاگل کا خطاب دے دے مگر اسے کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھی رہی تھی اور جب اٹھی تو دل میں ایک ان دیکھا سا بوجھ اترا ہوا

تھا۔ وہاں سے آ کر بھی وہ گھر نہیں گئی تھی بلکہ یوں ہی بلا مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتی رہی۔ اس کا دل بہت بھاری ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا ہوا تھا۔ اس نے یہ سب کیوں کیا......؟ کیا یہ سب اسی کے ساتھ ہونا تھا۔ تھک ہار کر وہ ایک ریسٹورنٹ میں چلی آئی۔ گھونٹ گھونٹ پانی اندر اتارتے ہوئے وہ ان خوش باش اور بے فکرے لوگوں کو دیکھتے ہوئے اگلے دن کے کھانے کی فکر میں گھلتے ہوئے اس معصوم بچے کو سوچ رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ اپنے بارے میں سوچ کر نہیں بلکہ کسی اور کے بارے میں سوچ کر دکھی ہو رہی تھی۔ کسی اور کی بے بسی افسردہ کر رہی تھی۔ وہ ان ہی سوچوں میں مگن تھی تب ہی کسی کے ٹیبل بجانے پر بری طرح چونک اٹھی۔ اپنے سامنے کھڑے نووارد کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیا بات ہے اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کیوں؟ تمہیں کیا پرابلم ہے؟" اس کے سوال کے جواب میں سوال ہوا تھا۔

"نہیں مجھے کوئی پرابلم نہیں۔ میں تو تمہاری ماما کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو رہی ہوں گی ناں۔" اس نے لفظ ماما پر زور دیتے ہوئے بہت کچھ جتایا تھا۔ اس نے بے بسی سے اپنے لب بھینچے تھے۔

"تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ میرے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"میں تو اپنا کام ہی کر رہا تھا۔ میرا کام تو ختم بھی ہو چکا۔ اب گھر جا رہا تھا۔ رات بہت ہو گئی ہے ناں تمہیں دیکھا تو رک گیا۔ ویسے تم ایک لڑکی ہو اور لڑکیوں کا اتنی رات کو باہر رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت رشتے داری تو بنتی ہے ناں۔ انفارم کرنا میرا فرض تھا۔" وہ سراسر اسے جلا رہا تھا، چڑا رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔ انفارم کرنے کا بہت بہت شکریہ اور ویسے میں لڑکی ہوں مگر چوڑیاں نہیں پہنتی۔ اپنی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتی ہوں کیونکہ مجھے اپنی حفاظت خود ہی کرنی ہے اس لیے تمہیں مجھے ہدایات دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے بھی ایک ایک

www.pkd

وہ قارئین جو بیرون ملک مقیم ہیں

سالانہ خریدار

بن کر بذریعہ رجسٹرڈ ائیر میل اپنے پسندیدہ جرائد گھر بیٹھے حاصل کریں

نیوزی لینڈ امریکہ کینیڈا فی پرچہ
سالانہ ڈاک خرچ 4520 روپے
12 شماروں کی قیمت 480 روپے
زر سالانہ 5000 روپے

مڈل ایسٹ ایشیا افریقہ یورپ فی پرچہ
سالانہ ڈاک خرچ 3520 روپے
12 شماروں کی قیمت 480 روپے
زر سالانہ 4000 روپے

اپنے ڈرافٹ اور منی آرڈر ادارے کے نام درج ذیل پتے پر ارسال کریں۔ یہ کراچی میں قابل ادائیگی ہونا ضروری ہے۔ بیرون ملک شہر ادائیگی کی صورت میں کوریئر چارجز اور بینک کمیشن کے 500 روپے اور بیرون ملک ادائیگی والے ڈرافٹ وغیرہ پر اس میں 20 امریکی ڈالر کا اضافہ کریں۔ رابطہ: طاہر احمد قریشی: 0300-8264242

فون نمبر: 2628014-15(21)(92) فیکس: 2639577(21)(92)

آنچل — نئے افق

نئے افق پبلی کیشنز

AhmedChamber Dr. Billmoria Street I.I. Chundirgar Road Karachi-74200
Email.info@aanchal.com.pk

لفظ پر زور دیتے ہوئے بہت کچھ جتادیا تھا۔

"او کے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" وہ پلٹا مگر کچھ یاد آنے پر رک گیا۔ "ایک بات کہوں چوڑیاں پہنا کرو۔ تمہاری کلائیوں میں بہت اچھی لگیں گی۔" جاتے جاتے بھی اس پر چوٹ کر گیا تھا اور وہ بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

☆......❁......☆

"کیا بات ہے لائبہ! اتنی چپ چپ سی کیوں ہو؟ آج عادی کو ان سب نے سرپرائز دے کر حیران کر دیا تھا۔ بے انتہا خوش ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے ان سب کو پیار بھری ڈانٹ سے بھی نوازا تھا۔ وہ اپنی ہر خوشی ہمیشہ اکٹھے ہی منایا کرتے تھے۔ اس وقت بھی وہ سب اکٹھے تھے۔ انہوں نے جی بھر کر انجوائے کیا تھا گو لائبہ ان کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی مگر پھر بھی وہ انہیں کچھ چپ چپ سی لگی تب ہی عادل نے پوچھ لیا۔

"میں کچھ سوچ رہی تھی۔"

"ارے یہ کام آپ بھی کرتی ہیں کیا؟" اسامہ نے استہزائیہ کہا۔

"شٹ اپ اسامہ میں سیریس ہوں او کے۔"

"لیکن یار تم سوچ کیا رہی ہو؟" اسامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے علیشا نے استفسار کیا۔

"یہی کہ ہم لوگ کتنے فضول خرچ ہیں۔ کتنا پیسہ فضول میں خرچ کر دیتے ہیں کتنی مہنگی مہنگی چیزیں خریدتے ہیں۔ قیمتی سے قیمتی گفٹس جنہیں بعض اوقات ہم بنا استعمال کے ایسے ہی پھینک دیتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پارٹی...... بنا ضرورت کے شاپنگ محض ٹائم پاس کرنے کے لیے کیونکہ ہمیں اپنا ٹائم گزارنے کا اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں لگتا۔ روزانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے ایسے ہی خرچ کر دیتے ہیں جس کا کوئی حاصل نہیں۔ ہمارے نزدیک پیسے کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایک ہاتھ سے لیتے ہیں اور دوسرے سے لٹادیتے ہیں اور ہم لینے کا سلسلہ بھی بند کر ہی نہیں سکتے کیونکہ جتنا زیادہ پیسہ ہوگا اتنی ہی زیادہ خواہشات اور جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا ہماری خواہشات بڑھتی ہی جائیں گی کیونکہ نہ ہم اس پیسے کو فضول خرچ کرنے کی بجائے ایسے کام میں لگائیں جس کا ہمارے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ ہو۔ ویسے بھی ہمیں کون سا......"

"اتنی لمبی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے لابی۔ یہ سب ہم جانتے ہیں۔ تم بس اتنا بتاؤ کہ اس وقت تمہارے مائنڈ میں کیا چل رہا ہے؟" اسامہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم ایک ٹرسٹ آرگنائز کریں جس میں بے سہارا اور لاوارث بچوں کو تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی کفالت بھی کی جائے۔ انہیں ہر فکر اور ہر تکلیف سے آزاد ہر آسائش سے بھرپور زندگی مہیا کی جائے جس میں انہیں اپنے کھانے کی فکر نہیں بلکہ اپنے شاندار مستقبل کی فکر ہو۔ انہیں اپنے گھر کی حالت کی نہیں بلکہ اپنے ملک کے حالات کو بدلنے کی سوچ ہو۔ وہ اپنے ملک کے لیے کچھ کر سکیں نہ کہ......"

"ایک سیکنڈ۔ آپ کا آئیڈیا بہت اچھا ہے میم لیکن اتنا شاندار سا آئیڈیا آپ کے دماغ میں کیونکر وارد ہوا؟" ہارون نے دانستہ اس کی بات کو مذاق میں اڑایا تھا لیکن اس نے نظر انداز کرتے ہوئے کل کا واقعہ جوں کا توں سنا دیا۔ یہ سب سن کر سب ہی کچھ پل کے لیے چپ ہوگئے تھے۔ کوئی بھی کچھ نہیں بول پایا تھا۔

"اوگاڈ ہمارے اردگرد اتنا کچھ ہو رہا ہے اور ہم کتنے

بے خبر ہیں۔ اتنا معصوم سا بچہ اور اس کی فکریں۔" علیشا نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اظہار کیا تھا۔

"ہمارے ملک کے حالات ہی اتنے ابتر ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو اپنی زندگی دشوار لگنے لگی ہے۔ اپنی بچی کھچی زندگی گزارنے کے لیے ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں بچا۔ بقول تمہارے اصغر کے باپ نے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا اور آج اس کے بیٹے کو مانگ کر کھانا پڑ رہا ہے۔ اس سے بڑی بدقسمتی ہمارے ملک کی کیا ہوگی جس کی آنے والی نسلیں زندگی سے لڑ رہی ہوں وہ اپنے ملک کے لیے کسی سے کیا مقابلہ کریں گے۔ یہ ہمارے لیڈرز، ہماری حکومت، ہمارے سیاست دان کیا کر رہے ہیں عوام کے لیے...... ؟ لوگوں کی زندگی کو ہی اپنے اوپر بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے...... یہ غربت ہی تو ہمارے ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہے جس طرح کی صورت حال اس وقت چل رہی ہے ہمارے ملک کے حالات کبھی نہیں بدل سکتے۔ یہاں تو قدم قدم پر مسائل کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ ہم چار لوگ ذرا سا قدم بڑھا کر کیا انوکھا کر لیں گے۔ اس ملک کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں کے حالات کبھی نہیں بدل سکتے۔"

"یہی تو ہماری پرابلم ہے۔ ہم کچھ نہیں کرتے۔ ہم صرف دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں اور ناممکن قرار دے کر ہاتھ جھاڑ لیتے ہیں کہ اپنا فرض ادا کر لیا۔ جب ہم خود کچھ نہیں کر سکتے تو پھر ان سیاست دانوں کو، اپنی حکومت کو اپنے لیڈرز کو کچھ بھی کہنے کا حق نہیں ہے ہمیں۔ اپنے ملک کی ترقی کے لیے...... اس کی کامیابی کے لیے محض لیڈرز یا حکومت کے کندھوں پر گولی چلانے سے کیا ہوگا۔ وہ جو کر رہے ہیں سو کر رہے ہیں جب انہیں کچھ کہنے والا احساس دلانے والا ہی نہ ہو تو ان کا تو جو دل چاہے گا وہ کریں گے۔ ہمیں خود بھی تو قدم بڑھانا چاہیے۔ کسی بھی ملک کی سب سے بڑی طاقت عوام ہوتی ہے اور ہمارے عوام کیا کر رہے ہیں؟ محض لیڈرز اور حکومت پر انگلی اٹھانے اور کسی بھی افسوس ناک واقعے پر تاسف سے سر ہلا دینے کے..... کیا ایک یہی ہمارا فرض ہے؟ کیا ہمارے ملک کا ہم پر کوئی قرض نہیں ہے؟ ہمارے ملک کے مسائل نہیں ہیں...... اس ملک کو بنانے میں مسلمانوں نے جانوں کے نذرانے دیے...... اتنی قربانیاں دیں صرف ہمارے لیے۔ وہ اپنے ساتھ ایک امید لے کر گئے تھے کہ ان کی آنے والی نسلیں اس ملک کی ترقی کا باعث بنیں گی۔ اس ملک کو عروج کی بلندیوں پر پہنچائیں گی لیکن افسوس صد افسوس..... کہ ہماری نسل کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ یہ ملک بنا ہی کیوں...... ؟ اس کی ضرورت ہی کیا تھی...... ؟ یہاں ہے ہی کیا...... ؟ یہ ملک یہ آزادی ہمارے کس کام کی؟ اس نے ہمیں دیا ہی کیا...... ؟ جب ہم لوگ ہی یہ سوچیں گے تو ہماری حکومت تو وہی کرے گی جو اس کا دل چاہے گا۔ یار ہم لوگ اتنی جلدی اپنے ملک کے حالات نہیں بدل سکتے۔ اپنے اردگرد کے حالات تو بدلیں۔ اتنا تو ہمارے اختیار میں ہے اور ہارون تم کہہ رہے ہو کہ ہم چار لوگوں کے قدم بڑھانے سے کیا ہوگا۔ ہم چار لوگ قدم بڑھائیں تو چار کے چالیس بن جائیں گے اور چالیس کو چار سو اور چار سو کو چار ہزار اور چار ہزار کو چالیس ہزار بننے میں دیر نہیں لگے گی۔ قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے جب اچھائی کی طرف قدم بڑھائیں تو بہت سے لوگ ساتھ دینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں اور کیا پتہ ہمارا یہ چھوٹا سا قدم ہمارے ملک کی حالت بدلنے کا ذریعہ ہو۔ ایسے بہت سے نوجوان جو اس ملک کے

لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں مگر کچھ کر نہیں پاتے شاید ہماری دیکھا دیکھی انہیں بھی کچھ کرنے کی جستجو پیدا ہو۔ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں بس ایک قدم بڑھانے کی دیر ہے۔'' وہ چپ ہوئی تو سب منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''یار یہ اپنی لائبہ ہی ہے ناں۔'' عادل نے منہ کھول کر آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے مضحکہ خیز شکل بنائی۔

''یہ میں ہی ہوں عادی۔ تم یہ چیپ سی شکل مت بناؤ پلیز۔'' اس کے ٹوکنے پر عادل نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

''ایک دن میں انسان اتنا بدل سکتا ہے اور وہ بھی لائبہ.....'' علیشا نے بھی حسب توقع اظہار کیا تھا۔

''ایک دن نہیں علیشا! انسان کو بدلنے کے لیے بعض اوقات ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے اور مجھے اس ایک لمحے نے ہی بدلا ہے۔ خیر یہ اتنا اہم نہیں کہ میں پہلے کیا تھی اور اب کیا ہوں.....؟ تم لوگ بس یہ بتاؤ کہ کیا تم لوگ میرے ساتھ ہو؟''

''جو تم کہہ رہی ہو اور جو تم کرنا چاہتی ہو وہ اتنا آسان نہیں ہے لابی جتنا تم اسے سمجھ رہی ہو۔''

''میں جانتی ہوں اسامہ! یہ اتنا آسان نہیں ہے لیکن یہ ناممکن بھی تو نہیں ہے؟ اگر تم لوگ میرے ساتھ ہو تو میرا نہیں خیال کہ یہ کوئی مشکل ہے۔ جب انسان متحد ہو جائے تو کچھ بھی مشکل یا ناممکن نہیں ہوتا اور یہ میں جانتی ہوں کہ اگر تم لوگ میرا ساتھ دو تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

''ہم تمہارے ساتھ ہیں لائبہ۔'' تب ہی ہارون کے یکلخت کہنے پر اس نے باری باری سب کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے دیکھنے پر سب ہی نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ جواباً لائبہ نے ایک طمانیت بھری سانس ہوا کے سپرد کی تھی۔

☆......❀......☆

''ہیلو مائی پریٹی ممی! کیا ہو رہا ہے۔ ارے واہ آپ کو الہام ہوا تھا کہ آپ کا چارمنگ اینڈ ڈیشنگ بیٹا آ رہا ہے۔ اسی لیے آپ مابدولت کے لیے کچھ اسپیشل بنا رہی ہیں ناں۔'' وہ ہمیشہ کی طرح باہر سے ہی باآواز بلند بولتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا۔

''ارے سیفی! تم کب آئے بیٹا؟'' اسے سامنے دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی در آئی تھی۔

''جب آپ نے دیکھا۔ ویسے ایک بزنس وومن سوسائٹی کی معزز ترین ہستی آج کچن میں کیسے جلوہ افروز ہیں۔''

''کیوں بھئی ایک بزنس وومن کچن میں کام نہیں کر سکتی کیا؟'' انہوں نے مصنوعی ناراضگی دکھائی تھی۔

''آف کورس جناب کر سکتی ہیں۔ کیوں نہیں کر سکتیں اور آپ تو کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ ویسے آپ بنا کیا رہی ہیں؟''

''ابھی پتا چل جائے گا۔ تم ڈائننگ روم میں چلو ڈنر بس ریڈی ہے۔ آج تو یہیں رکو گے ناں سفی۔ تمہارے بابا بھی کہہ رہے تھے کہ اگر سیفی آئے تو اسے یہیں رکنے کے لیے کہوں۔'' طاہرہ لغاری نے کھانے کے دوران اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں مام! مجھے جانا ہے اور بابا سے روزانہ ملاقات ہو تو جاتی ہے۔'' اس نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے ازحد سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

''تم یہاں کیوں نہیں آ جاتے سیفی..... آخر یہ تمہارا اپنا گھر ہے ایسے کیسے تم.....''

''مام پلیز! آپ جانتی ہیں کہ میں.....'' لاؤنج سے گزرتی ہوئی لائبہ کو دیکھ کر وہ یکلخت خاموش ہوا تھا۔

"میں جانتی ہوں سیفی تم کیوں نہیں آنا چاہتے لیکن بیٹا آخر کب تک تم کسی اور کے لیے گھر بدر رہو گے......؟ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اس پر سارا حق تمہارا ہے۔ میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں بیٹا کہ میری ایک غلطی کی وجہ سے......"

"مام پلیز! آپ نے کوئی غلطی نہیں کی اور نہ ہی میں کسی کی وجہ سے اس گھر سے دور ہوں اور پھر جہاں میں رہتا ہوں وہ بھی تو میرا ہی گھر ہے ناں۔ آپ پلیز پریشان مت ہوں۔ میں اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے وہاں رہ رہا ہوں۔ مجھے وہاں کوئی پریشانی نہیں ہے اور پھر ہر دوسرے دن آتا تو ہوں یہاں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا لیکن......" اسی وقت لائبہ وہاں داخل ہوئی تھی۔ لائبہ کو دیکھ کر جہاں طاہرہ لغاری ٹھٹک کر چپ ہوئیں وہیں سیفی کو بھی اسے دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا کیونکہ شاذونادر ہی اس گھر میں کسی کا سامنا لائبہ سے ہوتا تھا۔ وہ چلتی ہوئی طاہرہ لغاری کی چیئر کے عین سامنے رکھی چیئر کی بیک پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ اتنے دنوں بعد اپنی بیٹی کو دیکھ کر جہاں بہت خوش ہوئی وہیں چونکی بھی تھیں۔

"لائبہ! آؤ بیٹا کھانا کھالو۔ آج میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔" وہ بڑے پیار اور نرمی سے اس سے مخاطب تھیں۔

"نو تھینکس میں کھانا کھا چکی ہوں۔" جواباً اس کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا جیسا عموماً وہ ان سے بات کرتے ہوئے اپناتی تھی۔

"جانتی ہیں مام! مجھے باہر کا کھانا بالکل پسند نہیں ہے۔ کھانا تو ماں کے ہاتھ کا ہی مزا دیتا ہے۔ میری تو مجبوری ہے ورنہ۔"

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی مگر اس وقت اس کا فی الحال اس کے منہ لگنے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔

"ہاں ہاں بیٹا بولو ناں۔" وہ اسی پہ بھی بہت خوش ہوئی تھیں کہ اس نے انہیں مخاطب تو کیا۔

"میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے بیٹا کب سے جوائن کرنا ہے؟"

"کل ہی سے اور جب سارا بزنس میرا ہے تو اس کی ذمہ داری بھی میں ہی اٹھاؤں گی اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اس کی ساری اتھارٹی میرے ہی نام پر ہو۔" ان کے ساتھ ساتھ سیفی نے بھی چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا مگر بولا کچھ نہیں۔ طاہرہ لغاری نے چند پل خاموشی سے بیٹی کو دیکھا اور پھر گہری سانس بھرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جو تم چاہتی ہو وہ ہو جائے گا۔ میں توفیق صاحب سے کہہ دوں گی کہ وہ تمہاری ہیلپ کردیں۔ اگر تمہیں میری ہیلپ کی ضرورت ہے تو کہہ سکتی ہو۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے بنا کسی لحاظ کے ازحد بے مروتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

طاہرہ بیگم سیفی کی موجودگی میں اس کے رویے پر حددرجہ شرمسار ہوئی تھیں۔ باوجود اس کے کہ وہ بارہا یہ سب دیکھ چکا تھا۔ دوسری جانب سیفی کے چہرے پر ناگواری سی چھا گئی تھی۔ وہ مزید وہاں رکی نہیں فوراً پلٹ گئی۔ انہیں ازحد دکھ ہوا تھا۔

"یہ آپ نے کیا کیا مام؟ آپ کی سپورٹ کے بغیر وہ کیسے اتنا بڑا بزنس سنبھالے گی......؟ دو دن میں کنگال ہو جائے گی۔"

"نہیں سیفی! وہ ارسلان رضوی کی بیٹی ہے۔ کبھی بھی گھاٹے کا سودا نہیں کرے گی۔" ان کے لہجے میں

حد درجہ یقین بول رہا تھا۔

"اتنا اعتماد ہے آپ کو اس پر؟" وہ پھر بھی بے یقین تھا۔

"ہاں۔ اس کی صلاحیتوں پر مجھے مکمل اعتماد ہے تم خود دیکھ لینا۔"

"اوکے۔ ایز یو وش دیکھتے ہیں۔ فی الحال تو میں چلتا ہوں۔"

"اتنی جلدی بیٹا۔" اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کیونکہ اب کھانے سے ان کا جی اچاٹ ہوگیا تھا۔

"ہاں دراصل مجھے کچھ کام تھا۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ میں پھر آؤں گا اوکے۔"

"تم بھی اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔"

جتنا آسان وہ سمجھ رہی تھی۔ اتنا آسان کچھ بھی نہیں تھا۔ اتنی بڑی ذمہ داری سنبھالنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔ شروع میں تو وہ بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اتنی بڑی ذمہ داری کو سنبھالنا کس طور ممکن ہوگا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ ارسلان رضوی کی بیٹی تھی اور اسے یہ کر کے دکھانا تھا اور پھر جس مقصد کے لیے اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا اسے ہر حال میں پورا کرنا تھا۔ اب وہ بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اتنی ٹف روٹین کے باوجود بھی اس نے کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس کی لگن دیکھ کر اس کے فرینڈز بھی اسے سراہے بغیر نہ رہے تھے۔ اس کی لگن دیکھ کر وہ اور پُرجوش ہوگئے تھے۔ اچھائی کی جانب گامزن قدموں کو کچھ حاصل کر لینے کا یقین پختہ ہوگیا تھا۔ لائبہ کو سب کچھ خود ہی سنبھالنا تھا۔ یہ اب اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے پاپا کے نام کو ڈبونا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے پوری دلجمعی کے ساتھ مصروف ہوگئی تھی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ بہت جلد سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ سب ورکرز اس کی ذہانت کے قائل ہوگئے تھے۔ ابھی تو یہ شروعات تھی۔ اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ بہت آگے جانا تھا۔ بہت کچھ حاصل کرنا تھا...... وہ پرعزم تھی۔

نایاب ویلفیئر ٹرسٹ کی بنیاد ان سب نے مل کر رکھی تھی۔ اس کی تعمیر کا کام تیزی سے ہو رہا تھا۔ اس ٹرسٹ کا نام خود لائبہ نے ہی رکھا تھا۔ اس کے لیے ٹرسٹ کا ہر بچہ نایاب تھا جو مستقبل قریب میں اپنے ملک کے لیے گوہر نایاب ثابت ہونے والا تھا۔ اس کے ملک کی سلامتی کے لیے...... اس کی بقا کے لیے...... اس کی ترقی کے لیے اہم کردار ادا کرنے والے تھے۔ اسے اپنی سوچ پر...... اپنے یقین پر مکمل اعتماد تھا۔

اصغر کے دادا کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ چند روز قبل انہوں نے انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروایا تھا مگر زیادہ دن وہ زندہ نہ رہ سکے تھے۔ اس روز کے بعد سے اس نے اصغر کو بھیک مانگنے سے منع کر دیا تھا اور انہیں اپنے ساتھ رضوی ہاؤس لے آئی تھی۔ عادل، اسامہ اور ہارون نے اصغر کے دادا کی تدفین کے انتظامات نہایت احسن طریقے سے سرانجام دیے تھے۔ اصغر اپنے دادا کی وفات پر بہت رویا تھا۔ ان چند دنوں میں لائبہ کو ان بچوں سے خاصی انسیت محسوس ہونے لگی تھی۔

ان دنوں وہ بہت مصروف تھی۔ ایک پل کی بھی فرصت نہیں تھی۔ آفس، رضوی ہاؤس اور لغاری پیلس...... وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ گو لغاری پیلس جانا اس کے لیے قطعی ضروری نہیں تھا۔ وقت ملتا چلی جاتی ورنہ کئی کئی دن چکر نہیں لگاتی تھی۔ اسے بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ کوئی اس کے لیے پریشان

ہو رہا ہے...... کسی کو پروا ہے کہ وہ اتنے دن کہاں رہی......؟ گھر کیوں نہیں آئی؟ ان باتوں کی اسے قطعاً پروا نہیں تھی اور نہ ہی اپنے کسی بھی معمولات کے بارے میں اس نے کسی کو بتانے کی ضرورت محسوس کی تھی جب کسی کو اس کی پروا نہیں تھی تو پھر وہ کیوں کسی کے آگے جوابدہ ہوتی۔ ویسے بھی اس کے لیے اس گھر کے افراد کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ البتہ آفس اور رضوی ہاؤس اس کے لیے از حد ضروری تھے اور وہاں وہ بلا ناغہ جاتی تھی۔ اصغر اور فاطمہ کے علاوہ بہت سے ایسے بچے رضوی ہاؤس کے سائے میں پل رہے تھے۔ فرصت کے اوقات میں اس کی توجہ کا مرکز یہی بچے تھے اور ان کی سرپرست لائبہ رضوی ہی نہیں اس کے دوست تھے۔ اس مقصد میں بہت سے لوگ اس کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے جو اپنی بے مقصد زندگی کو بامقصد بنانا چاہتے تھے۔

☆☆......۞......☆☆

آج پورے ایک ہفتے بعد وہ لغاری پیلس آئی تھی۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی لان میں سکندر لغاری، طاہرہ لغاری اور سفیان کو براجمان دیکھ کر اس نے سختی سے اپنے لب بھینچ لیے تھے۔ اس وقت وہ خود کو اس فیملی سے بالکل الگ محسوس کر رہی تھی۔ وہ تینوں ایک ہی فیملی کا حصہ تھے جس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی گاڑی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ تینوں اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ اس نے ایک پل کو ان کی جانب دیکھا۔ دوسرے ہی پل نظرانداز کرتی ہوئی اندر کی جانب چل پڑی۔ اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے......؟

ان دنوں وہ ایک پروجیکٹ پر کام کر رہی تھی۔ چونکہ اسے آفس کے ساتھ ساتھ رضوی ہاؤس میں بھی ٹائم دینا تھا اور نئے پروجیکٹ کے سلسلے میں اسے آفس میں خاصا ٹائم ہو جاتا تھا۔ وہاں سے سیدھا رضوی ہاؤس جانا ہوتا تھا۔ اس درمیان اس کے پاس اتنا وقت نہیں بچتا تھا کہ وہ کہیں اور جاسکتی۔ بچے اس سے خاصے اٹیچ ہو گئے تھے۔ بعض اوقات ان کی ضد پر اسے وہیں رضوی ہاؤس میں رکنا پڑ جاتا تھا اور وہاں رکنا اس کے لیے بھی کوفت کا سبب نہیں بنتا تھا کیونکہ ایک وہی جگہ تھی جہاں وہ ہر وقت جانے کو تیار رہتی تھی جہاں اس کی بہت سی اچھی یادیں تھیں۔ اسی لیے وہ یہاں اپنی ضرورت کی چند چیزیں لینے چلی آئی تھی۔

''کہیں جا رہی ہو لائبہ؟'' سیڑھیاں اترتے ہوئے طاہرہ لغاری کو دیکھ کر وہ رکی تھی۔

''جی۔'' مختصر جواب دے کر وہ وہاں رکی نہیں فوراً آگے قدم بڑھا دیے۔

''کیا اتنا بھی پوچھنے کا حق نہیں رہا کہ کہاں جا رہی ہو؟'' جواباً اس نے انہیں جن نظروں سے دیکھا۔ ان کا مفہوم سمجھ کر وہ نظریں چرا گئی تھیں۔

''ہرگز نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ میرے پاس آپ کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ مجھے پیچھے سے آواز مت دیں پلیز۔'' انہوں نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا جب وہ بول اٹھی اور بنا ان کی جانب دیکھے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ اپنی گاڑی کی جانب آتے ہوئے اس نے ٹھٹکتے ایک پل کو لان میں بیٹھے ہوئے ان نفوس پر ترچھی نگاہ ڈالی جو اسے حیرت بھری نظروں سے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ دوسرے ہی پل نظرانداز کرتی ہوئی گاڑی میں بیٹھی اور وہاں سے چلی گئی۔

☆☆......☆☆

''یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟'' وہ لنچ کے لیے آفس سے نکلا تھا۔ عثمان بھی ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کر رہا

تھا۔ ان دونوں کا اکٹھے لنچ کرنے کا پروگرام تھا۔ ریڈ سگنل آن ہوتے دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجاتے ہوئے وہ اردگرد نظریں دوڑا رہا تھا جب ایک جگہ پر اس کی نظریں جم سی گئیں۔

روڈ کے دوسری جانب لائبہ ایک ٹھیلہ لگائے بچے کے قریب کھڑی اسے کچھ کہہ رہی تھی۔ اسے ایک ٹھیلے کے پاس کھڑے دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ دوسرا گہرا شاک اسے تب لگا جب اس نے انتہائی نرمی سے مسکراتے ہوئے اس بچے کے گال پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اس نئی حیرت انگیز تبدیلی پر حیرت زدہ سا تھا۔ کہاں وہ تنک چڑی ہر کسی کو جوتے کی نوک پر رکھنے والی لائبہ..... اور کہاں یہ.....؟ اسے یقین کرنا دشوار لگ رہا تھا۔ تب ہی وہ تیزی سے روڈ کراس کرنے لگی۔ اسی وقت گرین سگنل آن ہوا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ مخالف سمت سے آتی ہوئی وائٹ کرولا پر پڑی تھی۔ سیل فون پر عثمان مسلسل ہیلو ہیلو بول رہا تھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہی نہیں تھا۔ کبھی گاڑی کو دیکھتا اور کبھی روڈ کراس کرتی ہوئی لائبہ کو.....

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا..... وہ ہو چکا تھا جو اس کے ذہن میں بالکل نہیں آیا تھا۔ وہ گاڑی اسے بال کی طرح اچھال کر پھینکتی ہوئی چلی گئی۔ چند پل وہ ہکا بکا سا دیکھتا رہ گیا۔ خیال آتے ہی وہ تیر کی تیزی سے گاڑی سے باہر نکلا تھا اور بنا اردگرد دیکھے وہاں اکٹھے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے اس کے پاس پہنچا تھا۔ لائبہ کو خون میں لت پت ہوش وحواس سے بیگانہ دیکھ کر اسے اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے جھنجوڑنے لگا۔

''لائبہ..... لائبہ اٹھو..... پلیز آنکھیں کھولو..... اٹھو لائبہ.....'' وہ نہیں جانتا تھا کہ اس وقت وہ کیا کر رہا ہے.....؟ کیوں کر رہا ہے.....؟ اسے تو بس اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اسے اس حالت میں دیکھ کر.....

''لگتا ہے مر گئی بے چاری۔'' وہاں کھڑے لوگوں میں سے کسی کے کہنے پر اس نے شدید غصے سے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی وحشت تھی کہ وہ آدمی فوراً دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

''نہیں یہ ایسے کیسے مر سکتی ہے؟ ایسا کیسے کر سکتی ہے یہ.....؟''

''بیٹا! تم جانتے ہو اسے؟''

''ہاں یہ میری.....''

''دیکھو بھائی خون بہت بہہ رہا ہے۔ ٹائم ضائع مت کرو اسے اسپتال لے جاؤ۔ دیر ہو گئی تو شاید.....''

اس آدمی کے کہنے پر وہ فوراً ہوش میں آیا اور اسے اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہوئے تیزی سے گاڑی کی جانب آیا تھا۔ اتنی ریش ڈرائیونگ اس نے کبھی نہیں کی تھی جتنی آج کر رہا تھا۔

وہ تقریباً دس منٹ میں اسپتال پہنچا تھا۔ اسپتال چونکہ اس کے انکل کا تھا اس لیے اسے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کا ٹریٹمنٹ فوراً شروع ہو گیا تھا۔ خاصا ٹائم گزر گیا وہ مسلسل بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کسی بھی پل کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ابھی تک اس نے گھر میں کسی کو انفارم نہیں کیا تھا۔ زندگی اور موت کے درمیان لٹکی ہوئی تلوار پر وہ اکیلے ہی جھول رہا تھا۔ ڈاکٹر انکل کو دیکھ کر بڑے نارمل انداز میں ان کی جانب بڑھا تھا۔ اس نے خود کو کیسے کمپوز کیا تھا۔ وہ خود ہی جانتا تھا۔ بس اتنا تھا کہ وہ اپنے دل کی حالت عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''انکل! اب کیسی ہے وہ؟'' اپنے لہجے کی بے تابی اور اپنی بے چینی کو وہ چاہ کر بھی چھپا نہیں پایا تھا۔

''خون بہت بہہ گیا ہے۔ ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے فی الحال تو بلڈ کا بندوبست کرنا پڑے گا۔''

''کون' کون سا بلڈ گروپ ہے انکل؟''

''A نیگیٹو۔'' وہ یکلخت چونکا تھا۔

''A نیگیٹو۔ یہ تو میرا بلڈ گروپ بھی ہے۔''

''یس آئی نو۔''

''تو پھر دیر کس بات کی ہے..... چلیے میں بلڈ دوں گا۔''

''آر یو شیور.....'' وہ بے یقین تھے۔

''جی بالکل۔''

''اوکے تو پھر چلو۔'' ان کی حیرت سے وہ بخوبی آگاہ تھا مگر دانستہ نظر انداز کر گیا۔

اس کا خون لمحہ بہ لمحہ ساتھ والے بیڈ پر دراز اس وجود میں منتقل ہو رہا تھا جس کے ساتھ اس کا محض دشمنی کا رشتہ تھا۔ جب سے دونوں کی آگاہی ہوئی تھی تب ہی سے ان دونوں کے مابین خود ساختہ دشمنی کا رشتہ شروع ہو گیا تھا۔ ان دونوں نے خود ہی ایک دوسرے کو اپنا دشمن فرض کر لیا تھا۔ کبھی بھی انہوں نے ایک دوسرے کو دوست سمجھنے کی کوشش نہیں کیونکہ وہ چاہتے ہی نہیں تھے اور آج اس پل وہ اپنے ہی دشمن کی زندگی کے لیے دعا گو تھا۔ اس وقت اس کے لیے یہ سوال معنی نہیں رکھتا تھا کہ وہ یہ کیوں کر رہا ہے..... معنی یہ رکھتا تھا کہ اسے ہر حال میں اس کی زندگی مطلوب تھی۔

☆......❀......☆

''تمہیں اتنی اہم میٹنگ چھوڑ کر آنے کی کیا ضرورت تھی علیشا.....؟ اچھی بھلی تو ہوں میں۔ خواہ مخواہ اتنا ٹائم ویسٹ کیا۔''

''چپ رہو تم۔ بڑی آئی میرا ٹائم ویسٹ کرنے والی اور تم لوگ دو روپے کی کال کر کے مجھے انفارم نہیں کر سکتے تھے کیا.....؟ اتنی ہی پرائی ہو گئی ہوں کیا؟''

اسے پیار بھری ڈانٹ سے نوازتے ہوئے وہ ان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ لائبہ کو علیشا کی اپنے لیے فکر دیکھ کر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے علیشا! دراصل یہ تمہاری فرسٹ میٹنگ تھی۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ.....''

''فرسٹ تھی ناں لاسٹ تو نہیں..... زندگی اور موت کا مسئلہ تو نہیں تھا۔ اگر لائبہ کو کچھ ہو جاتا تو.....''

ہارون کی بات کاٹتے ہوئے وہ فوراً بولی تھی۔

''ہو جاتا ناں ہوا تو نہیں اور پھر اگر کچھ ہو جاتا تو تمہاری موجودگی میں رک جاتا کیا؟ ہونہہ خواہ مخواہ میں ڈرامہ بازی۔'' عادل نے آخری جملہ بڑبڑاتے ہوئے ادا کیا تھا اور اس کی بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ وہاں موجود سب ہی افراد تک بآسانی پہنچ گئی تھی۔ علیشا نے صدمے کی کیفیت میں اس کی جانب دیکھا تھا۔ باقی سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

''میں میں۔ ڈرامہ کر رہی ہوں۔ تم لوگوں کو لائبہ کے لیے میری فکر..... میری محبت ڈرامہ بازی لگ رہی ہے؟'' اس کی آنکھوں میں پانی تیزی سے جمع ہوا تھا۔ عادل نے کان کھجاتے ہوئے انجان بننے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ باقی سب بھی یکبارگی سنجیدہ دکھائی دینے لگے تھے۔

''میں تم سے مخاطب ہوں عادی۔'' اس کی بے نیازی پر وہ یکلخت چیخی تھی۔

''آہستہ بہرہ نہیں ہوں اور پھر یہاں ایک عدد مریض ایڈمٹ ہے۔ تمہاری چیخ و پکار سے بے چارہ ڈسٹرب ہو رہا ہے۔''

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے عادی۔''

''کس بات کا؟'' وہ پھر سے انجان بنا۔

''عادی!'' اس نے دانت کچکچائے تھے۔

''آئم سوری۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ تم تو سیریس ہی ہو گئیں۔ اتنے دنوں کی سیریس سچویشن بور کر رہی تھی ناں سوچا کچھ ہنسی مذاق

ہی ہو جائے۔"

"سچ کہہ رہے ہو...... بے وقوف تو نہیں بنا رہے؟" اس نے عادل کو جانچنے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"تمہاری قسم لیکن اگر تم خود کو ایسا سمجھ رہی ہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں......" بات کی وضاحت کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر پٹڑی سے اترا تھا۔ ان سب کا قہقہہ ابلنے کو بے تاب ہوا تھا مگر علیشا کی روہانسی صورت نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھنے پر مجبور کر دیا۔

"عادل چپ ہو جاؤ اور علیشا تم شرم کرو۔ تم لوگ میری عیادت کرنے آئے ہو یا جھگڑنے...... حد ہوتی ہے بچپنے کی...... یہاں میں تکلیف میں ہوں۔ بجائے اس کے کہ میری خدمت وغیرہ کرو مزید پریشان کر رہے ہو۔" لائبہ نے ان دونوں کے درمیان سیز فائر کرانے کے لیے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"سوری لائبہ! اب ہم یہاں بالکل نہیں جھگڑیں گے۔ پرامس جب تک تم اسپتال میں ہو اس سے زیادہ کا وعدہ میں نہیں کر سکتا۔" عادل کا بچوں کی طرح معصومیت سے کہنے پر علیشا کے ساتھ ساتھ سب ہی ہنس دیے تھے۔

"ارے ہاں لائبہ تمہیں ہاسپٹل میں لایا کون تھا؟ سنا ہے بلڈ بھی دیا ہے؟" اچانک یاد آنے پر علیشا نے استفسار کیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ میں تو خود اسے تھینکس کہنا چاہتی تھی۔ میں نے تو ڈاکٹر سے پوچھا بھی تھا مگر انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ بقول ان کے کہ اس شخص نے اپنا کوئی نام پتہ نہیں بتایا۔"

"اسپتال بھی پہنچایا اور پھر بلڈ بھی دیا اور بنا کچھ بتائے غائب بھی ہو گیا...... یقین نہیں آ رہا۔ اس زمانے میں ایسا کون خدائی خدمت گار ہے جو بنا کہے آیا اور بنا بتائے چلا گیا...... میرا مطلب ہے بنا غرض کے کون کسی کی مدد کرتا ہے......؟ ہارون نے بھی اپنی حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"ہوگا کوئی۔ آج کے زمانے میں بھی اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ خیر چھوڑو جو بھی تھا اس نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اس کا احسان مجھ پر ادھار ہے۔ اب سے پہلے اگر وہ میری جان بچاتا تو شاید میں اسے کوستی مگر اب میری زندگی کا ایک مقصد ہے اور اسے بچانے والا میرا محسن...... اگر کبھی سر راہ ملاقات ہو گئی تو یہ قرض بھی اتار دوں گی۔"

"پہچانو گی کیسے؟ ویسے کل تم ڈسچارج ہو رہی ہو۔ رضوی ہاؤس جاؤ گی یا سکندر پیلس؟"

"رضوی ہاؤس۔ سکندر پیلس گئی تو بستر سے اٹھنا محال ہو جائے گا جب کہ رضوی ہاؤس میں بچوں کی مسکراہٹ...... ان کا پیار مجھے بہت جلد تندرست کر دے گا اور پھر......" بات کرتے کرتے وہ اچانک چونکی تھی۔ جانے کیوں اسے روم کے باہر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"کیا ہوا لائبہ تم چپ کیوں ہو گئیں؟" اسامہ نے اس کا ٹھٹک کر چپ ہونا فوراً نوٹ کیا تھا۔

"ہاں نہیں۔ کچھ نہیں۔" وہ دفعتاً چونکی اور اپنے خیال کو وہم جان کر ذہن سے جھٹک دیا اور ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئی۔

☆......❁......☆

وہ ان دنوں بہت الجھا ہوا تھا۔ اس کی سوچیں متضاد تھیں۔ زندگی صحیح سمت چلتے چلتے جانے کس ڈگر پر چل نکلی تھی۔ ہر قدم پر ٹھٹکنے لگا تھا...... چونکنے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یا وہ سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ جانتا تھا تو صرف اتنا کہ

www.pkc

لا حاصل منزل پر قدم رکھنا بڑا خسارہ ہے اور اسے خسارہ کسی طور منظور نہیں تھا مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جو انداز کئے جانے پر مستقل دہائیاں دے رہا تھا۔اس کی ایک نظر کرم کے لیے مختلف چالیں چل رہا تھا۔اپنی ہزار ہا کوشش کے باوجود وہ اس سے نظریں نہیں چرا رہا تھا۔اس کے باوجود وہ اس کی ''ہاں'' اور اپنی ''ناں'' کی جنگ جاری رکھے ہوئے تھا جس میں اسے ہر حال میں ''فاتح'' بننا تھا۔''مفتوح'' بننا اسے گوارا نہیں تھا۔

☆......❁......☆

''ہاں عائشہ اسامہ آیا ہے یا نہیں؟'' میٹنگ ختم ہوتے ہی اس نے انٹرکام پر عائشہ سے پوچھا تھا۔ اسے کچھ اہم ڈسکشن کرنی تھی اس سے۔

''نہیں میم! ابھی تو نہیں آئے لیکن ان کا فون آیا تھا کہ وہ لیٹ ہو جائیں گے۔''

''اوکے۔'' ابھی وہ ریسیور رکھنے ہی والی تھی کہ عائشہ نے روک لیا۔

''ایک منٹ میم۔ وہ سفیان صاحب کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں......'' آگے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''یہ یہاں کیا لینے آیا ہے؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا تب ہی عائشہ نے پھر پوچھا۔

''آں ہاں۔ٹھیک ہے بھیج دو۔'' اسے از حد کوفت ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد دستک ہوئی۔ اس نے فائل سے نظریں اٹھاتے ہوئے صرف ایک پل کے لیے دیکھا۔ دوسرے ہی پل آہستگی سے ''یس'' کہتے ہوئے دوبارہ فائل پر نظریں جما دیں۔

''اوہ آیئے مسٹر سفیان! زہے نصیب کہیے کیا خدمت کریں ہم آپ کی؟ راہوں میں پھول بچھائیں یا پھر......''

''مس لائبہ رضوی! دشمنوں کی راہوں میں تو عموماً دشمن کانٹے ہی بچھاتے ہیں۔اب آپ کی مرضی ہے۔ چاہیں تو پھول بچھا دیں' چاہیں کانٹوں بھری ٹہنیاں...... ہمیں تو راہ گزر پر چلنا ہے پھر بھلے راہ میں پھول ہوں یا کانٹے...... کیا فرق پڑتا ہے......''

اس نے کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے ذومعنی بات کہی تھی۔ لائبہ اس کے بدلے ہوئے انداز پر چونکی ضرور مگر ظاہر نہیں کیا۔

''ویسے کانٹوں پر چلنا اتنا آسان نہیں ہوتا مسٹر سفیان۔''

''میں جانتا ہوں آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا مگر ہمت تو کرنی پڑتی ہے۔قدم تو بڑھانے پڑتے ہیں۔ مشکلات تو انسان کو اپنی منزل سے دور نہیں کر سکتیں البتہ منزل تک رسائی پانے کے لیے مشکلات کو دور ضرور کیا جاسکتا ہے کیا خیال ہے تمہارا؟''

''مسٹر سفیان! ضروری نہیں کہ میرا خیال آپ کی سوچ کو مثبت کردانے۔ پوچھ سکتی ہوں میرے آفس میں تمہاری تشریف آوری کس سلسلے میں ہوئی ہے؟'' اس کی بات کو دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے اصل مقصد کی جانب آئی تھی۔

اس نے ایک پل کو قلم انگلیوں میں گھماتے ہوئے لائبہ کو گہری نظر سے دیکھا تھا۔

''تم گھر کیوں نہیں آ رہیں؟'' اس نے بغور اس کی گہری سنجیدگی کو ملاحظہ کیا تھا۔

''گھر...... کس کے گھر......؟ تمہارے...... سکندر لغاری کے...... یا پھر طاہرہ لغاری کے گھر......؟'' مسکراتے ہوئے اس نے طنزیہ استفسار کیا تھا۔

''اپنے گھر۔'' اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے اس کے طنز کو درخور اعتنا جانا تھا۔

''اوہ اپنے گھر...... اپنے گھر تو میں روز جاتی ہوں سفیان۔'' اس نے ''اپنے گھر'' پر خاصا زور دیا تھا۔ ''کچھ

بعد میں وہیں جارہی ہوں۔تم کس گھر کی بات کررہے ہو؟'' گو وہ سنجیدہ تھی مگر اس کی آنکھوں کا استہزا وہ اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔لب بھینچے ہوئے وہ فوراً مسکرایا تھا۔

''وہ گھر جو ہم سب کا ہے۔''

''ہم سب کا...... جو کہ بہت اچھا ہے اور یہ کب طے ہوا تھا؟''

''شاید ہمیشہ سے طے تھا۔'' خلاف توقع اس بار بھی اس نے لائبہ کے طنز کو نظر انداز کردیا۔آج وہ بار بار چونک رہی تھی، ٹھٹک رہی تھی۔بالآخر اپنی حیرت کو اس نے زبان دے ہی دی۔

''اوہ پلیز سفیان! تمہارے منہ سے شیرینی میں ڈوبے ہوئے الفاظ کچھ سوٹ نہیں کررہے۔میرے خیال میں تمہارا پرانا والا انداز زیادہ بہتر ہے اور پھر تمہیں ضرورت ہی کیا ہے اپنی انا کو ٹھیس پہنچانے کی خواہ مخواہ میں......''

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔کچھ لوگوں کو پیار بھری زبان سمجھنے میں ہوتی ہے۔تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس کے طنز کو اس نے اچھی طرح سے محسوس کیا تھا پھر اگلے جملے پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اس کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ اسے سر تاپا جھلسا گئی۔

''کیا تم میری طبیعت کا پوچھنے آئے ہو؟''

''مجھے تو مام نے بھیجا تھا۔یہ دیکھنے کہ ان کی بیٹی کس حال میں ہے...... اتنے دنوں سے گھر کیوں نہیں آئی......؟ ماں ہے ناں پریشان تو ہوں گی ہی۔'' اسے زچ کرنے کی باری اب اس کی تھی۔

''آج میرے حیرت زدہ ہونے کا دن ہے۔حیرت در حیرت...... میرے لیے کوئی پریشان ہورہا ہے...... کسی کو فکر ہورہی ہے؟ تعجب ہے تمہاری مام کو پچھلے ڈھائی ماہ میں میری فکر نہیں ہوئی تو آج کیوں پریشان ہورہی ہیں وہ؟'' وہ بھی لائبہ تھی زیادہ دیر تک کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

''یہ تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو کہ انہوں نے ڈھائی ماہ میں تمہاری فکر کی ہے یا نہیں۔'' اب کہ اس نے بھی اسی کا لہجہ اپنایا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کے موبائل کی بپ ہوئی۔اسامہ کا نام دیکھ کر اس نے فوراً بٹن پش کیا تھا۔

''تم ہو کہاں...... میں کب سے تمہارا انتظار کررہی ہوں۔'' اوکے میں آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچتی ہوں۔تم پلیز باقی سب کو بھی انفارم کردینا اوکے بائے۔'' سیل فون بند کرکے اس وہ سفیان کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ویل مسٹر سفیان اس وقت تو مجھے بہت ضروری کہیں جانا ہے۔مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو زیادہ ٹائم نہ دے سکی۔''

''کیا واقعی تمہیں افسوس ہے......؟'' اس کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ وہ زیادہ دیر ان میں نہ دیکھ سکی۔فوراً نظریں چرا گئی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''میرا کیا ہے میں تو کچھ بھی سمجھ سکتا ہوں۔تم مجھے روک نہیں سکتیں......''

''بالکل۔ویسے بھی مجھے کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے خیر میں چلتی ہوں اور ہاں اپنی مام سے کہہ دینا میرے لیے پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔اب تک تو انہیں اس بات کا یقین ہوجانا چاہیے تھا۔'' وہ تیزی سے بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی۔

''لائبہ!'' اس کی آواز پر وہ ٹھٹک کر رکی ضرور مگر پلٹی نہیں۔

www.pkc

"تم آج گھر آ رہی ہو......" وہ دفعتاً گھومی تھی۔
"کیا یہ آرڈر ہے؟"
"تم جو بھی سمجھ لو۔ ایک ہی بات ہے۔"
"نہیں۔ یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔ اگر یہ آرڈر ہے تو میں یہ بتا دوں کہ کسی کو مجھے حکم دینے کا کوئی حق نہیں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی اور وہ کتنے ہی پل وہاں بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔
"میں کیا سن رہی ہوں لائبہ! یہ تم کن چکروں میں پڑی ہو؟...... کیا کرتی پھر رہی ہوں آج کل......"
وہ آج ہی ٹائم نکال کر لغاری پیلس چلی آئی تھی گو اسے اب کسی کی کوئی پروا نہیں تھی لیکن جانے کیوں پھر بھی وہ چلی آئی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنے روم میں داخل ہوئی تھی تب ہی طاہرہ لغاری برہم سے تاثرات لیے اس کے پیچھے اندر داخل ہوئیں اور آتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ سوال ایک ہی تھا۔ الفاظ مختلف تھے۔ آج اتنے دنوں کے بعد ان کا یہ رویہ دیکھ کر نہ تو وہ چونکی تھی اور نہ ہی اسے حیرت ہوئی تھی۔
"کیا کر رہی ہوں میں آج کل؟" جان کر انجان بنتے ہوئے اس نے "آج کل" پر زور دیا۔
"انجان مت بنو لائبہ۔ میں تمہاری ان دنوں کی مصروفیات کی بابت دریافت کر رہی ہوں۔ تمہیں کب سے سوشل ورک کا بخار چڑھ گیا......؟ یہ کن فضول سے چکروں میں پڑی ہوئی ہو تم......؟ اتنے وسیع بزنس کی ذمہ داری ہے تم پر...... اور اسی لیے میں نے تمہیں یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی کہ تم اسے ایسے ہی لٹاتی پھرو۔"
"ایگزیکٹیو ممی مسز طاہرہ سکندر لغاری! پہلی بات تو یہ کہ پاپا کی ساری پراپرٹی کی مالک میں ہوں۔ اسے سنبھالنے کی ذمہ داری بھی میری ہی ہے۔ آپ مجھے نہ بھی دیتیں تو بھی اسے مجھے ہی ملنا تھا۔ دوسری بات...... میں کچھ بھی فضول نہیں لٹا رہی۔ جو بھی کر رہی ہوں بہت سوچ سمجھ کر رہی ہوں۔ آخر امیر کبیر باپ کی بیٹی ہوں۔ بنا فائدے کے تو کچھ بھی نہیں کروں گی۔" اس نے استہزائیہ ہنستے ہوئے خود پر طنز کیا تھا۔ "ویسے پہلے جو میں اتنی بڑی رقم فضول شاپنگ میں، پارٹیز میں، اس قسم کی فضول مصروفیات میں لٹاتی تھی کیا وہ آپ کو فضول نہیں لگتا تھا...... لگے گا بھی تو کیسے...... ہم جیسے ہائی کلاس فیملیز کی یہی تو شان ہے۔"
"مجھے یقین نہیں آ رہا لائبہ تم اتنی خود سر ہو گئی ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔"
"اور میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ کہنے سے قبل بہت کچھ سوچ لینا چاہیے تاکہ مجھ پر الزام لگانے سے قبل آپ کو اندازہ ہو جائے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ اور کس سے کہہ رہی ہیں......؟ اس کی اس درجہ صاف گوئی پر وہ تلملا اٹھیں۔
"لائبہ بہت ہو گیا۔"
"ابھی تو میں نے کچھ کہا ہی نہیں اور مجھے نہیں لگتا کہ میں نے آپ کی شان میں کوئی گستاخی کی ہے۔ جو سچ ہے وہی تو کہا ہے میں نے اور...... آپ کو غصہ کس بات پر آ رہا ہے...... میرے سوشل ورک کا...... یا میری پراپرٹی کا ففٹی پرسنٹ اس ٹرسٹ کے نام ہونا......؟ یا پھر آپ کا خیال تھا کہ اپنی کلاس کے لوگوں کی طرح میرا سوشل ورک میڈیا کے سامنے آئے۔ پریس کانفرنس ہو...... لوگ میرے اس اقدام کو سراہیں...... واہ واہ کریں خدمت خلق کا راگ الاپیں تاکہ لوگ کہیں کہ ارسلان رضوی سوری مسز طاہرہ لغاری کی بیٹی کتنا بڑا کام کر رہی ہیں۔"
"بہت ہو گیا لائبہ! اب بس۔ مجھے یقین نہیں آ رہا

کہ تم ارسلان کی بیٹی ہو۔ میری بیٹی ہو...... میرا نہیں تو کم از کم اپنے باپ کا تو لحاظ کر لیتیں۔ ماں ہوں میں تمہاری...... جنم دیا ہے میں نے تمہیں......"

"ہاں۔ آپ ماں ہیں میری۔ آپ نے جنم دیا ہے مجھے۔ یاد آ گیا آپ کو......؟ کس بنیاد پر آپ یہ جتا رہی ہیں مجھے......؟ آج تک آپ نے ماں ہونے کا فرض ادا کیا ہے کیا......؟ کیا آپ جانتی ہیں ماں ہوتی کیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں...... ماں محض ایک لفظ نہیں ہے۔ ماں بننے کے لیے خود کو اس لفظ کا حق دار بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ صرف جنم دینے سے کوئی عورت ماں نہیں بن جاتی۔ ارے آپ سے اچھی تو وہ مائیں ہیں جو اپنے بچے کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے سے قبل چند پل سوچتی تو ہیں۔ ان کا دل کراہتا تو ہے مگر آپ...... آپ نے تو صرف جنم دیا ہے...... کبھی میری جانب بھولے سے بھی نظر نہیں کی۔ آج تک آپ نے کبھی میرے بارے میں سوچا......؟ کبھی یہ جانا کہ میں کیا چاہتی ہوں......؟ ایک بیٹی ہونے کی حیثیت سے میری ماں میرے لیے کتنی اہم ہے۔ مجھے کتنی ضرورت ہے ماں کی......؟ آپ کے دل میں میرے لیے کبھی خیال آیا......؟ نہیں کبھی نہیں کیونکہ آپ کے نزدیک آپ کی نام نہاد مصروفیات...... آپ کا اپنا آپ زیادہ اہمیت رکھتا ہے نہ کہ میں...... آپ کو صرف اپنی پروا تھی اور اب بھی ہے لیکن میں آپ کو یہ سب کیوں بتا رہی ہوں......؟ آپ نے تو آج سے سات برس پہلے نہیں سوچا تھا تو اب کیا سوچیں گی...... جانتی ہیں مجھے یہ نہیں پتا کہ ماں کی گود کیا ہوتی ہے......؟ میں کبھی یہ نہیں جان پائی کہ ماں کا پیار کیا ہوتا ہے؟ کبھی آپ نے مجھے احساس ہی نہیں ہونے دیا...... اس سے بڑی بدقسمتی میری اور کیا ہوگی کہ اپنی کی گود میسر ہونے کے باوجود کسی کی ماں کی گود کو حسرت سے دیکھتی ہوں۔" بہت عرصے بعد اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ اس کے الفاظ میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

آج پہلی بار طاہرہ لغاری کو اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا مگر شاید بہت دیر ہو چکی تھی۔ لائبہ کو خود کو سنبھالنے میں خاصی وقت ہوئی تھی مگر وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

"خیر یہ ایک لاحاصل بحث ہے اور میرا خیال ہے میں ایک ایسی ہستی سے ہمکلام ہوں جس پر میری کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ میں جا رہی ہوں اور جانے سے پہلے میں آپ کو انفارم کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے رضوی ہاؤس شفٹ ہو رہی ہوں۔ بہت پہلے صرف آپ کی وجہ سے میں یہاں آئی تھی لیکن چاہنے کے باوجود میں خود کو یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پائی لیکن اب میں جا رہی ہوں یہاں کبھی نہ آنے کے لیے اور پلیز مجھے روکیے گا نہیں کیونکہ میں رکوں گی نہیں۔"

وہ چلی گئی تھی اور چاہنے کے باوجود طاہرہ لغاری اسے روک نہیں پائی تھیں۔

☆......۞......☆

لائبہ ارسلان رضوی اور طاہرہ رضوی کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ارسلان منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ کروڑوں کی جائیداد کے تنہا وارث تھے۔ ان کے بزنس میں قدم رکھنے کے چند سال بعد ان کے والد اس دنیا سے چل بسے۔ ارسلان خاصے سمجھدار اور ذہین انسان تھے۔ انہوں نے محنت اور اپنی ذہانت سے بزنس کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔

طاہرہ سے ان کی ملاقات ایک بزنس میٹنگ میں ہوئی تھی۔ طاہرہ از حد خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ ذہین بھی تھیں۔ وہ ان کے دوست کی بزنس پارٹنر تھیں۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ ان کی

www.pkd

ذہانت اور گفتار کے قائل ہو گئے۔ انہیں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا آتا تھا۔ ارسلان بھی ایک عام سے انسان تھے۔ فوراً مائل ہو گئے۔ طاہرہ کو بھی ارسلان اچھے لگے تھے۔ طاہرہ کا دنیا میں ایک ماں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور وہ بھی ہارٹ پیشنٹ تھیں۔ ارسلان نے جب طاہرہ کو پرپوز کیا تو انہوں نے فوراً ہامی بھر لی اور پھر کچھ ہی عرصے میں شادی کے خوب صورت بندھن میں بندھ گئے۔

شروع شروع میں دونوں میں اچھی خاصی انڈراسٹینڈنگ رہی لیکن کچھ عرصہ گزارنے کے بعد ارسلان کو احساس ہوا کہ طاہرہ کے ساتھ ان کی شادی کا فیصلہ بہت جلد بازی میں ہو گیا۔ اپنے اس فیصلے پر وہ اکثر پچھتاتے تھے کیونکہ طاہرہ کو گھر سے کم اور باہر سے زیادہ لگاؤ تھا۔ ان کے لیے کچھ بھی اہم نہیں تھا سوائے اپنی ذات کے......

شادی کے تین سال بعد جب ڈاکٹر نے انہیں ماں بننے کی نوید سنائی تو جہاں ارسلان خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے وہیں طاہرہ حیرت اور پریشانی کی تفسیر بنی ہوئی تھیں۔ انہیں یہ بچہ کسی مصیبت سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے انہوں نے ارسلان کی خوشی کو پس پشت ڈالتے ہوئے ابارشن کا فیصلہ کر لیا۔ ارسلان کو پتہ چلا تو ان کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ گزرے چند سالوں میں وہ طاہرہ کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے مگر وہ اس حد تک چلی جائیں گی اس کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔

انہوں نے طاہرہ کو پیار سے...... غصے سے...... ڈانٹ ڈپٹ کر...... ہر طرح سے اس اقدام سے روکنا چاہا مگر وہ ڈٹی رہیں بالآخر انہیں اپنا آخری حربہ آزمانا پڑا۔ انہوں نے طاہرہ کو طلاق کی دھمکی دے دی جو کارگر ثابت ہوئی۔ وہ نیم رضامند ہو گئیں لیکن اس شرط پر کہ وہ اس بچے کو جنم ضرور دیں گی مگر اسے گلے کا طوق نہیں بننے دیں گی...... اسے اپنے سر پر مسلط نہیں ہونے دیں گی...... اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھائیں گی...... اسے پالیں گی نہیں......

ارسلان اس کی ہٹ دھرمی پر اور سوچ پر گہرے ملال کا شکار ہوئے تھے۔ انہیں اپنی پسند پر شرم محسوس ہوئی تھی۔ ان کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے اس لیے صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے اور پھر لائبہ کی پیدائش تک وہ انہیں یہ جتانا نہیں بھولتی تھیں کہ یہ بچہ صرف ان کی ایما پر اور ان کی مرضی سے اس دنیا میں آ رہا ہے...... اس سے ان کا کوئی واسطہ نہیں...... لائبہ کی پیدائش پر انہوں نے اسے ایک نظر تک دیکھنا گوارہ نہیں کیا اور آیا کے حوالے کر دیا جسے ارسلان پہلے ہی رکھ چکے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ طاہرہ نے جو کہا ہے وہ اس پر قائم رہیں گی۔

ارسلان لائبہ کا ہر طرح کا خیال رکھتے تھے۔ وہ جوں جوں بڑی ہوتی گئی۔ ماں کی اپنی طرف سے بے نیازی اور بے اعتنائی دیکھ کر طاہرہ سے دور ہوتی گئی۔ البتہ ارسلان سے وہ بہت محبت کرتی تھی۔ اسے جب بھی ماں کی ضرورت محسوس ہوتی ہمیشہ انہیں خود سے دور پاتی۔ پاپا کے چاہنے کے باوجود وہ اس دوری کو مٹا نہ پائی۔

لائبہ اٹھارہ سال کی تھی جب ارسلان کی ڈیتھ ہو گئی۔ ان کے جانے سے کسی کو فرق پڑا ہو یا نہیں مگر لائبہ کے لیے وہی سب کچھ تھے۔ ان کے چاہنے سے وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ گھر سے باہر تو اس کے بہت اچھے اور مخلص اس کا خیال رکھنے والے دوست تھے مگر گھر آتے ہی اسے اپنا وجود اپنی ذات بے معنی محسوس ہوتی تھی۔ طاہرہ صرف ضرورت کے تحت اس سے بات کرتی تھیں۔ دونوں الگ الگ سمت کی مسافر تھیں۔

پھر اس روز اس کے لیے ماں کا نام نہاد رشتہ بھی ختم ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا جب اسے خبر ملی کہ طاہرہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ وہ جو ماں سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتی تھی، نظر انداز کرنے لگی۔ جہاں بیٹھی ہوتیں تو لائبہ اٹھ کر چلی جاتی۔ مکمل طور پر قطع تعلق کر لیا۔

اپنی طرف سے خاموش ناراضگی کا اظہار تھا مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جن سے وہ پورے استحقاق کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے انہیں کسی کی ناراضگی سے کوئی فرق نہیں پڑا..... چاہے وہ ان کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔ جس روز انہیں لغاری ہاؤس شفٹ ہونا تھا اس روز لائبہ اپنے کمرے سے ایک پل کے لیے بھی باہر نہیں آئی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ انہیں اس کی موجودگی یا عدم موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر ایک آس سی تھی کہ وہ ماں ہیں شاید دل پسیج جائے۔ شاید وہ اس سے ملنے آئیں..... شاید اسے اس وقت زبردست شاک لگا تھا جب خلاف توقع طاہرہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں۔ شاید پہلی بار اور نہ صرف نہایت نرمی اور پیار سے بات کی بلکہ اسے بھی وہیں شفٹ ہونے کو کہا۔ وہ تو ان کے اتنے پیار سے بات کرنے پر ہی حیرت زدہ تھی۔ اس کا ارادہ فوراً منع کر دینے کا تھا مگر جانے کیوں اس سے انکار نہیں ہوا اور فوراً ہامی بھر لی۔ وہ اپنے ہی کیے فیصلے پر حیران تھی..... الجھی گئی تھی..... کب..... کیسے ......اور کیوں یہ ہوا؟ وہ نہیں جانتی تھی......

لغاری پیلس میں ملازمین کے علاوہ دو فرد تھے۔ ایک سکندر لغاری اور دوسرا فیضان لغاری..... سکندر حیثیت میں ارسلان سے کسی بھی طور کم نہیں تھے۔ سفیان ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کی بیوی کا انتقال تب ہوا جب سفیان پانچ برس کا تھا۔ سکندر بہت اچھے اور نائس انسان تھے۔ انہوں نے سفیان کی پرورش نہایت اچھے خطوط پر کی تھی۔ ان دونوں کے مابین باپ بیٹے سے زیادہ دوستی کا رشتہ تھا۔ سفیان ان کا پرتو تھا۔ سلجھا ہوا، مخلص، حساس، سب کا خیال رکھنے والا..... جب سکندر نے طاہرہ سے شادی کی تو سفیان کو بالکل بھی اعتراض نہیں ہوا تھا بلکہ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے طاہرہ سے اچھی خاصی دوستی کر لی تھی۔ وہ ان کا ہمیشہ سگی ماں کی طرح خیال رکھتا تھا۔

اس نے شروع شروع میں لائبہ کا بہت خیال رکھا بلکہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا مگر وہ اسے قریب بھی آنے نہیں دیتی تھی۔ اس نے ہمیشہ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ہر بار وہ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ بے دردی سے جھٹک دیتی۔ وہ اس سے از حد متنفر ہو چکی تھی۔ اپنی ماں کا اس کے لیے انتہا درجے کا پیار دیکھ کر وہ چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔ ہر کسی سے بدتمیزی کرنے لگتی۔ کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے اس سے سب کچھ چھین لیا گیا ہو۔ بعض اوقات سفیان کو اس کے رویے سے الجھن ہونے لگتی تھی مگر وہ برداشت کر جاتا۔ کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا اس سر پھری لڑکی کا دماغ درست کر دے مگر جانے کیوں رک جاتا۔ چاہنے کے باوجود کچھ کہہ نہیں پاتا تھا لیکن جب لائبہ کا رویہ برداشت سے باہر ہونے لگا تو سفیان کو بھی اپنا انداز بدلنا پڑا تھا۔ اگر وہ ایک سناتی تو وہ چار سنانے لگا۔ اسے بھی ضد سی ہو گئی تھی..... وہ طنزیہ تیر برساتی تو وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا۔ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتا جس سے وہ چڑتی تھی۔ وہ طاہرہ اور اس کے لاڈ پیار سے چڑتی تھی۔ وہ زیادہ ان کے قریب رہنے لگا۔ اسے جلانے کے لیے ہر وہ کام کرتا جو اس کے مزاج کے خلاف ہو۔ اسے لائبہ کو تنگ کرنا اچھا نہیں لگتا تھا بلکہ بعض اوقات ندامت محسوس ہوتی تھی

www.pkd

مگر اب اسے لائبہ کو تنگ کرنے میں مزا آنے لگا تھا۔
لائبہ اب تنگ آ چکی تھی۔ کڑھنے لگی تھی...... کبھی کبھی تو روہانسی ہو جاتی۔ تنگ آ کر اس نے رضوی ہاؤس جانے کی ٹھان لی۔ سفیان کو خبر ہوئی تو اسے اپنے رویے پر از حد شرمندگی محسوس ہوئی مگر اس نے اظہار نہیں کیا بلکہ اسے یہ جتاتے ہوئے اپنے دوسرے گھر میں شفٹ ہو گیا کہ وہ اس کی موجودگی میں یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ لائبہ یہ سمجھے کہ اپنے رویے پر شرمندہ ہے اور نہ ہی یہ چاہتا تھا لائبہ یہاں سے جائے۔ وہ ایک مرد تھا کہیں بھی اکیلا رہ سکتا تھا مگر لائبہ کی بات اور تھی۔ سکندر لغاری اور طاہرہ کو اگر کوئی اعتراض تھا بھی تو اس نے انہیں قائل کرنے کے لیے بہت سی توجیہات پیش کیں تو انہیں اسے جانے کی اجازت دینا ہی پڑی۔ لائبہ نے اس کے جانے پر کلمہ شکر ادا کیا تھا کہ شاید اب اس کی ماں کو اس کا خیال آئے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا...... ان کا رویہ ویسا ہی تھا۔ بہت ہی اہم امور پر بات کرنا...... اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک بلینک چیک تھما دینا...... جتنی چاہے رقم بھرے اور ضروریات پوری کرلے۔ اس سے بڑھ کر انہیں نہیں لگتا تھا کہ اس کی کوئی اور ضرورت ہو سکتی ہے......

جب اس نے ڈپریشن بھری زندگی سے اکتا کر اپنی الگ دنیا بسا لی تھی جہاں اسے اپنے علاوہ دوسروں کے مسائل کا احساس ہوا تھا۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے اپنے دکھ کو اوروں کے دکھوں سے تولنا شروع کیا تو اپنا دکھ بہت چھوٹا محسوس ہوا تھا۔ جب وہ سب کچھ بھول چکی تھی اب ماں نے یہ جتایا تھا کہ وہ اس کی ماں ہیں...... جنم دیا ہے انہوں نے اسے...... تو جن زخموں کو سلا ہوا سمجھ چکی تھی ایک ہی جھٹکے میں ادھڑ گئے تھے۔ آج وہی لمحے...... وہی پل...... اس کی یادوں میں در آئے تھے جن میں خوشیوں کی رمق تک نہ تھی جن میں ماں کے حوالے سے اس کے پاس کوئی خوشی کن یاد نہیں تھی...... اپنی حد درجہ بے بسی پر اسے ہنسی آئی تھی...... اسے لگا تھا کہ اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ دنیا کی غریب ترین لڑکی تھی۔ کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے پاس تہی دامن...... تہی دست تھی......

☆......۞......☆

"یار تو بھی ایک دم گھامڑ انسان ہے۔ بات پوری ہوئی نہیں اور تو تیز گام کی طرح دوڑ پڑا۔ دیکھ لیا ناں جلد بازی کا نتیجہ...... اچھا اچھا بس چل اب لکھ ایڈریس اور ہاں کام ختم ہوتے ہی سیدھا یہاں چلے آنا اور کام مکمل ہونا چاہیے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو...... ہاں او کے اللہ حافظ۔" فون رکھتے ہی وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"کیا ہوا عادل...... کون تھا؟" لائبہ فوراً اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"ہارون تھا۔ ہمیشہ گڑبڑ کرتا ہے۔ وہ کل جس بچی کا تم نے کہا تھا۔ اسی کو لینے گیا ہے اور محترم کو راستے میں یاد آ رہا ہے کہ ایڈریس تو لیا ہی نہیں...... عجیب ہی انسان ہے جانے کس بات کی جلد بازی رہتی ہے محترم کو...... خیر چھوڑو تم بتاؤ ہمارا اگلا پروجیکٹ کون سا ہے؟"

"اس سلسلے میں مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے لائبہ۔"

"ایک منٹ اسامہ! ثناء عبداللہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اسامہ کو ایک منٹ کا انتظار تھما کر وہ پاس سے گزرتی ہوئی ثنا سے استفسار کرنے لگی۔ ثنا کو دو ماہ ہوئے تھے انہیں جوائن کیے ہوئے۔ اچھی، نیک، مخلص اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔ اس کا تعلق بھی خاصے امیر گھرانے سے تھا جب اسے لائبہ کے ارادوں کی خبر

www.pkdigest.com

ہوئی تو وہ خود چل کر آئی تھی۔ وہ بھی ان کی طرح کچھ کرنا چاہتی تھی بنا کسی نام..... بنا کسی صلے کے..... ان سب کو اس کی نیک نیتی بہت پسند آئی تھی اور جب اس نے انہیں جوائن کرنے کی درخواست کی تو لائبہ نے سب کو فخریہ نظروں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ دیکھا میں نے کہا تھا ناں اچھائی کی جانب قدم بڑھاؤ تو بہت سے قدم ہمقدم ہو جاتے ہیں۔ اس کے انداز پر سب ہی مسکرا دیے تھے۔

''ہاں۔ پہلے سے کافی بہتر ہے۔ جانے کیا بات ہے.....شاید کوئی پرابلم ہے اس کے ساتھ..... جب سے آیا ہے چپ چپ سا رہتا ہے..... آپ کے علاوہ بہت کم کسی سے بات کرتا ہے۔ آپ پلیز کچھ دیر بعد اسے دیکھ لیجیے گا۔''

''ہاں۔ میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔ تھینکس ثناء! ہاں اسامہ اب بولو تم کچھ کہہ رہے تھے۔'' ثنا کو ممنونیت سے دیکھتے ہوئے وہ اسامہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''نیا پروجیکٹ شروع کرنے سے قبل میں تم لوگوں سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔ میرا ایک دوست ہے جس سے میری دوستی کچھ سال قبل لندن میں ہوئی تھی۔ اس روز میری اس سے ملاقات ہوئی تو اتفاقاً میرے منہ سے سوشل ورکنگ اور ٹرسٹ وغیرہ کا ذکر ہو گیا پھر اس کے اصرار پر مجھے سب کچھ بتانا پڑا۔ ساری بات سن کر وہ ازحد متاثر ہوا تھا۔ وہ خود بھی ایسے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے مگر اب وہ کچھ اور کرنا چاہتا ہے جس میں اسے ہم جیسے لوگوں کی سخت ضرورت ہے۔ وہ ایک ایسا پروجیکٹ شروع کرنا چاہتا ہے جس میں ایسے لوگوں کی شمولیت ہو جو غریب اور خوددار لوگ ہیں جو بنا کسی کام کے کسی کی مدد لینا پسند نہیں کرتے۔ بہت سے ان پڑھ..... بے روزگار لوگوں کو ایسا کام دیا جائے جس سے وہ سہولت سے بہتر معاوضہ کما سکیں۔ بہت سی ایسی خواتین جن کے لیے ایک وقت کا کھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی خواتین کے پاس بہت سے ایسے ہنر ہوتے ہیں جن سے وہ گھر کو بھی اور گھرداری کو بھی بہتر طریقے سے چلا سکتی ہیں۔ ہمیں ایسی خواتین کے ہنر کو بروئے کار لانا چاہیے تاکہ انہیں گھر بیٹھے ہی اتنا معاوضہ مل جائے کہ گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو اور نہ ہی اپنی محنت بے کار جاتی نظر آئے۔ تم سمجھ رہی ہو تاں میں کیا کہنا چاہتا ہوں.....؟'' اس نے کہا۔

''میں سمجھ گئی ہوں اسامہ لیکن تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو.....؟ اس میں میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''بتایا تو ہے وہ تنہا ہے۔ اسے ہمارے ساتھ کی ضرورت ہے۔ وہ اکیلا سب کچھ ہینڈل نہیں کر سکتا۔ اسے اپنا بزنس بھی سنبھالنا ہوتا ہے۔''

''نام کیا بتایا تم نے اپنے فرینڈ کا؟'' اس نے پرسوچ انداز میں پوچھا تھا۔

''سفیان۔''

سفیان کا نام سن کر اس کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اس کے انداز پر سب ہی نفوس مسکرا دیے۔

''کیوں..... نام پسند نہیں آیا کیا؟'' اسامہ نے شرارت سے استفسار کیا۔

''ایسا لگ رہا ہے محترمہ نے کڑوا کریلا چبا لیا ہو.....'' عادل نے بھی لقمہ دیا۔

''نہیں۔ نام میں کیا رکھا ہے۔ اب ہر سفیان نام والے انسان ایک جیسے تو نہیں ہو سکتے اور پھر اس کی سوچ سے ظاہر ہوتا ہے وہ اچھا انسان ہو گا۔''

''اچھا ہو گا نہیں۔ بہت اچھا ہے۔ تم لوگوں نے نوٹ کیا جس طرح محترمہ میں اور بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہیں سوچ پر بھی کافی گہرا اثر ہوا ہے۔ مطلب مثبت..... میں نے ٹھیک کہا ہے ناں؟''

"بالکل۔ کچھ زیادہ ہی سیانی نہیں ہو گئیں محترمہ؟"

"خاموش۔ اب تم لوگ میری ٹانگ کھینچنا بند کرو اور کام کی جانب دھیان دو۔" علیشا کے کچھ کہنے سے قبل ہی وہ فوراً بول اٹھی۔ سب ہی فوراً سنجیدہ ہوئے تھے۔

"پھر کیا خیال ہے لائبہ سفیان سے کب ملنا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ تم کوئی دن طے کر لو۔ ہم مل لیں گے اس سے اور ہاں عادل' ہارون کہاں رہ گیا۔ کام کا وقت ہو گیا ہے۔ اسے کال تو کرو۔ پوچھو تو سہی کہیں راستے میں تو نہیں پڑے ہوئے جناب۔" اس کی بات پر سب ہی نے قہقہہ لگایا تھا۔

"جا رہی ہو لائبہ؟" علیشا نے استفسار کیا تھا۔

"نہیں فی الحال تو میں عبداللہ کے پاس جا رہی ہوں۔ وہ کچھ زیادہ ہی ڈپریس رہنے لگا ہے۔ جانے کیا مسئلہ ہے اسے؟" اچانک اس کے انداز میں پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ وہ سب اس کی از حد حساسیت سے متاثر ہوئے تھے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اتنی ضدی' بدتمیز اور ہٹ دھرم لڑکی کے پیچھے ایک بہت ہی مخلص..... حساس..... اور خیال کرنے والی لڑکی چھپی ہے۔ انہیں اپنی دوستی پر فخر محسوس ہوا تھا۔

☆......❀......☆

"مام! کیا ہو رہا ہے اکیلے اکیلے.....؟" وہ دبے قدموں چلتا ہوا اچانک ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اس اچانک افتاد پر وہ سٹپٹا سی گئیں اور تیزی سے اپنے تر چہرے کو رگڑ ڈالا لیکن یہ عمل اتنی تیزی سے ہوتے ہوئے بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکا۔ اس نے کبھی انہیں روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آج ان آنسوؤں کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

"مام آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ارے سیفی بیٹا تم کب آئے؟ میں نے دیکھا ہی نہیں....." وہ نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے مام! کیا ہوا ہے آپ کو.....؟ رو کیوں رہی ہیں آپ؟ بابا نے کچھ کہا ہے.....؟"

"نہیں بیٹا وہ بھلا مجھے کیا کہیں گے وہ تو بہت اچھے انسان ہیں۔"

"تو پھر ان آنسوؤں کی وجہ..... کیا لائبہ نے کچھ کہا ہے؟" اب کی بار وہ خاموشی سے نظریں جھکا گئی تھیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا۔

"یہ لڑکی بھی ناں۔ حد درجہ گستاخ ہے۔ ایم سوری لیکن مام آپ اسے کچھ کہتی کیوں نہیں ہیں۔ ذرا لحاظ نہیں کرتی وہ آپ کا..... سمجھائیں اسے ماں ہیں آپ اس کی..... حق بنتا ہے آپ کا..... وہ اتنا کچھ سنا جاتی ہے اور آپ خاموشی سے سنتی ہیں۔"

"نہیں سیفی! قصور اس کا نہیں میرا ہے۔ میرے پاس وہ حق ہی نہیں جس کے تحت میں اسے قصوروار گردان سکوں یا اسے اس کے ناروا سلوک کو غلط قرار دے سکوں اور میرا یہ حق' میرا اس پر استحقاق..... اس نے نہیں میں نے خود اپنے آپ سے چھینا ہے۔ جب میں نے اسے اپنی بیٹی ہونے کا حق نہیں دیا تو ماں ہونے کا حق کیسے لے سکتی ہوں..... جب میں خود اس کے اس رویے کی ذمہ دار ہوں تو پھر گلہ کیسے کروں.....؟ میں نے کبھی اس کے احساسات' جذبات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں..... کبھی قدر ہی نہیں کی۔ میں آج تک اس کی ضرورتوں کو نہ جان سکی..... وہ کیا چاہتی ہے.....؟ اسے کہاں کس وقت.....؟ میری ضرورت ہے..... میں نے کبھی سوچا ہی نہیں.....؟ آج تک ماں کا فرض ادا نہیں کیا۔ وہ میرے وجود کا حصہ تھی مگر میں نے کبھی اسے خود سے قریب نہیں ہونے دیا جو استحقاق وہ مجھ پر رکھتی تھی'

www.pk

میں نے کبھی اس کا استحقاق اسے استعمال کرنے نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرتی مگر مجھے کبھی اس کی بات سننے کی فرصت نہیں ملی...... وہ مجھ سے بہت کچھ شیئر کرنا چاہتی تھی مگر میں ہمیشہ نظرانداز کر جاتی۔ جب ایک ماں اپنے بچے کو جنم دینے پر شرائط عائد کرسکتی ہے تو اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی اولاد سے امید رکھے۔ آج مجھے خود سے گھن آرہی ہے۔ کسی عورت ہوں میں...... اپنی سگی بیٹی کی کبھی پروا نہیں کی جسے اپنی ذات کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیا۔ اپنی اتنی پیاری بیٹی بھی نہیں...... عورت ہوں میں......؟ تف ہے مجھ پر...... کتنی خودغرض تھی میں...... کتنی بے حس تھی میں...... میری بیٹی میری ایک نظر کے لیے حسرت سے مجھے دیکھتی تھی اور میں یکسر نظرانداز کر دیتی تھی۔"

وہ اپنے کیے پر ازحد نادم تھیں۔ ازحد شرمسار تھیں۔ سفیان چاہتے ہوئے بھی انہیں دلاسا نہیں دے سکا تھا۔ اس کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے وہ محض دیکھ کر رہ گیا۔

☆......❀......☆

کچھ دیر قبل اسامہ نے لائبہ کو کال کر کے بتایا تھا کہ سفیان کے ساتھ میٹنگ ارینج ہوگئی ہے۔ وہ سب اسامہ کو پک کرتے ہوئے وہیں جارہے تھے۔ لائبہ کا خیال تھا کہ میٹنگ کسی ریسٹورنٹ یا آفس میں ارینج کی گئی ہوگی لیکن جب اسامہ کی گاڑی ایک شاندار سے گھر کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تو اسامہ سے جگہ کا کنفرم نہ کرنے پر لائبہ کو ازحد کوفت محسوس ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں بہت مصروف تھی۔ اس کا خیال تھا وہ جلد ہی فارغ ہوکر واپس چلی جائے گی مگر اب اسے ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ اس کام کو جلدی نبٹائے گی کیونکہ جب گھر میں میٹنگز ارینج ہوں تو کافی ٹائم صرف ہوتا ہے اور اب وہ "وقت" کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کے لیے ایک ایک منٹ ازحد اہم تھا۔ اب اس کی ذات کے ساتھ بہت سے لوگوں کی خوشیاں جڑی تھیں اور وہ کبھی بھی ان خوشیوں کو گرہن نہیں لگنے دینا چاہتی تھی اور ان کی خوشیوں کا تقاضا تھا کہ "وقت" کو مٹھی میں قید کر لے...... سرکنے نہ دے۔

گھر انتہائی شاندار تھا۔ سب ہی سراہے بغیر نہ رہ سکے۔ اندر داخل ہوتے ہی وہاں کی گہما گہمی نے چونکا دیا تھا۔ مکس گیدرنگ تھی۔ خاصے لوگ جمع تھے۔ شاید کوئی فنکشن تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" ان کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے عادل نے استفسار کیا تھا۔

"تمہیں نظر نہیں آرہا کیا؟" ہارون نے تمسخرانہ نظروں سے دیکھا۔

"آرہا ہے مگر...... اسامہ یہ سب......" وہ حیرت کے مارے جملہ بھی مکمل نہ کرپایا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو سفیان نے کال کر کے کہا تھا کہ وہ فارغ ہے اس لیے آج ہی میٹنگ رکھی جائے۔ بعد میں وہ بزی ہو جائے گا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے گھر میں کوئی فنکشن ہے۔"

"ہونہہ۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ ہماری سوسائٹی میں صرف خواتین کو ہی نمود و نمائش کا شوق ہے مگر یہاں تو مرد بھی کسی سے کم نہیں۔" لائبہ کے لہجے میں طنز سمٹ آیا تھا۔

"مطلب......؟" ہارون نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ محترم سوشل ورک بھی بنا فائدے کے کرنا پسند نہیں کرتے۔"

"سوشل ورک کا اس فنکشن سے کیا تعلق؟" ہارون اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

"بہت گہرا تعلق ہے۔ اب دیکھو ناں ہماری کلاس کے لوگ کچھ بھی بنا فائدے کے نہیں کرتے۔ فائدے بھلے مالی طور پر ہوں یا اشتہاری طور پر...... اب یہاں محترم کو مالی فائدہ تو ہونے سے رہا۔ الٹا خود ہی خرچہ کرنا پڑے گا مگر اشتہار تو لگ جائے گا ناں کہ سفیان صاحب کتنا بڑا اور نیک کام سرانجام دے رہے ہیں۔ واہ واہ ہوگی۔ ضرورت سے زیادہ عزت دی جائے گی وغیرہ...... اب یہ سب محض ہم سے ڈسکشن کرکے تو ملنے سے رہا۔ ظاہر ہے یہ سب کرکے ہی تو شاباشی ملے گی۔"

"اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی مس لائبہ رضوی۔ ضروری نہیں جو نظر آرہا ہو اصل میں بھی وہی ہو جو آپ سوچ رہے ہوں۔ حقیقت کچھ اور بھی تو ہو سکتی ہے ناں۔" اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا...... بالکل اچانک کوئی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔

"تم......" بے یقینی سے دیکھا تھا۔ اس پل اس کا اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا تھا۔ ان دنوں وہ کتنی بے پروا ہوگئی تھی۔ جب اسامہ نے سفیان کا نام لیا تھا فوراً اسے پورا نام تو پوچھ لینا چاہیے تھا۔ اس کی حیرت اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ محظوظ کن انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" اسامہ نے باری باری دونوں کو دیکھا تھا جواباً لائبہ محض لب بھینچ کر رہ گئی۔ اسامہ سمجھ گیا کہ "کچھ" نہیں بلکہ "بہت کچھ" غلط ہوا ہے۔

"اسامہ! میں جا رہی ہوں۔ مجھے بہت ارجنٹ کام ہے۔"

"لیکن لائبہ! یہ کام بھی تو بہت اہم ہے۔"

"شاید اب یہ میرے ساتھ کام کرنا پسند نہ کریں۔"

اسامہ نے اس کی ذومعنی بات پر جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ لائبہ نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

"ہونہہ۔ مجھے اپنی انا کی تسکین کے لیے دوسروں کی خوشیاں لوٹنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"حالانکہ یہ کام آپ بہت پہلے کر چکی ہیں۔" اس کے طنز کو اب کی بار لائبہ نے یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔ اس سے بحث کرنے سے کہیں بہتر کام تھے اس کے پاس کرنے کو......

"سیفی یہ سب کیا ہے یار؟ تم نے مجھے انفارم ہی نہیں کیا کہ یہاں کوئی فنکشن چل رہا ہے......" ان دونوں کی گفتگو کو نظرانداز کرتے ہوئے اسامہ نے سفیان سے استفسار کیا۔ وہ تینوں ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ سفیان کوئی اور نہیں بلکہ لائبہ کا وہ واحد دشمن ہے جس کے بارے میں اس نے اپنے دوستوں میں سے کسی سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔

"میں خود نہیں جانتا تھا۔ یہاں آکر پتہ چلا کہ میرے پروجیکٹ کی کامیابی پر سرپرائز پارٹی ارینج کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے اب اندر چلنا چاہیے۔" سب سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"اسامہ! مجھے جانا ہوگا۔ بہت ضروری کام ہے۔ تم لوگ ڈسکس کرلو جو بھی فائنل ہو تم مجھے انفارم کر دینا۔" وہ سب آگے نکل گئے تھے تب ہی لائبہ نے اسامہ کو روکتے ہوئے کہا۔

"لیکن لائبہ تمہارے بغیر یہ کیسے......"

"اسامہ! ہم سب میں، میں اور تم کچھ نہیں۔ سب ایک ہیں۔ تم جو فیصلہ کرو گے میری سوچ کے عین مطابق ہوگا۔ مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے۔"

"میں جلد آجاؤں گا تو پھر تمام تفصیلات سمجھا دوں گا۔

''تھینکس۔ بائے۔'' وہ برق رفتاری سے وہاں سے نکلی تھی۔ وہ جانتی تھی اندر طاہرہ ضرور ہوں گی۔ اسی لیے وہ لوٹ آئی تھی۔

''لائبہ۔'' چلتے چلتے اسے ٹھٹک جانا پڑا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا! آئیں اور باہر سے ہی واپس جا رہی ہیں۔'' وہ اپنے مخصوص مشفقانہ انداز سے مخاطب تھے۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔ ایک وہی تو تھے جن کی وہ دل سے عزت کرتی تھی۔

''آئم سوری انکل! لیکن مجھے ضروری کام سے جانا تھا اسی لیے۔''

''لائبہ! ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے بیٹا؟ آپ بہت دنوں سے گھر بھی نہیں آئیں......؟ طاہرہ بھی آپ کے لیے بہت پریشان رہتی ہیں۔'' ان کے نام پر اس نے اپنے لب بھینچے تھے۔ ''باخدا میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی بیٹی مانا ہے اور ہمیشہ کوشش رہی ہے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو اگر میری ذات سے آپ کو زک......''

''نن...... نہیں انکل! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ جیسا آپ سوچ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ دراصل آج کل مصروفیت اتنی زیادہ ہے کہ ٹائم ہی نہیں ملتا آنے کا...... انشاء اللہ جلد ہی چکر لگاؤں گی لیکن فی الحال مجھے جانا ہے پلیز روکیے گا نہیں۔ آپ کو منع کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''تھینکس بیٹا! یہ کہہ کر آپ نے میرا مان بڑھا دیا ورنہ میں یہی سمجھتا رہتا شاید آپ میری وجہ سے......''

''نہیں انکل! آپ تو اتنے اچھے ہیں۔ اتنے نائس ہیں کہ کسی کو چاہ کر بھی آپ سے شکایت نہیں ہوسکتی۔ آئم سوری انکل مجھے جانا ہوگا لیٹ ہو رہی ہوں۔''

''ٹیک کیئر بیٹا اللہ حافظ۔''

''آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔'' تب ہی اس کی نظر کچھ فاصلے پر کھڑے سفیان پر پڑی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جانے کیا ہوا تھا...... اس نے سٹپٹا کر نظریں چرالی تھیں اور خود پر حیران ہوتی ہوئی پلٹ گئی۔

☆......❀......☆

وہ نہیں جانتا تھا ایسا کیوں اور کیسے ہوسکتا ہے...... اپنے ساتھ کچھ فاصلے پر بیٹھا وجود...... اس کا اپنے اتنے قریب ہونا...... اسے اندر تک سرشار کیوں کر رہا ہے......؟ کیا اپنے دل پر ہزار ہا پہرے بٹھانے کے باوجود وہ اس کے خوب صورت جال میں پھنس گیا ہے...... جس جنگ کو وہ فاتح بننے کے لیے لڑ رہا تھا کیا وہ اس میں مفتوح ٹھہرا تھا......؟ کیا واقعی وہ نہیں چاہتا تھا وہ ہو چکا تھا...... وہ الجھا ہوا تھا باوجود اس کے کہ ساتھ بیٹھا ہوا وجود اسے ہواؤں میں اڑا رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو پوری دنیا کو اپنی اس خوشی میں شامل کرتا۔

''اگر تمہیں گاڑی کچھوے کی رفتار سے چلانی آتی ہے تو گاڑی مجھے ڈرائیو کرنی ہوگی کیونکہ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ سڑکیں ناپنے کا مجھے کوئی شوق نہیں اور نہ ہی مجھے روڈ اور فٹ پاتھوں پر کوئی تھیسس لکھنا ہے جس کے لیے اتنی سلو ڈرائیو پہ ریسرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے سو پلیز ذرا زحمت کیجیے اور گاڑی روکیے تاکہ میں ڈرائیو کرسکوں۔''

سفیان کا پروجیکٹ خاصا متاثر کن تھا اور لائبہ نے اس کے ساتھ کام کرنے میں کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ سفیان حیران تو ہوا مگر اسے بہت اچھا لگا تھا کہ واقعی وہ بدل گئی ہے۔ اس سلسلے میں اسے اکثر و بیشتر لائبہ کی ضرورت پڑتی تھی سفیان کو...... اور وہ بھی اپنی ذاتی دشمنی سائیڈ پر کر دیتی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اتنا اچھا مزاح بھی کر لیتی ہو گڈ۔'' اس کے اتنے واضح طنز کو اس نے ٹھنڈے

gest.com

...میٹھے انداز میں مزاح کا نام دے کر اس کے پرانے موڈ کو بحال کرنے کی از خود کوشش کی تھی۔

"مجھے تم سے تعریف وصولنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اس لیے مجھ پر تعریف کے الفاظ ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے تمہیں تعریف کرانے کا شوق ہے مگر مجھ سے سننا پسند نہیں...... ہے ناں؟" اس کے بات پکڑنے پر وہ از حد کوفت کا شکار ہوئی تھی۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا اور مجھے کوئی شوق نہیں ہے تعریف کروانے کا اور تعریفوں کے پل باندھنے والے مجھے زہر لگتے ہیں۔"

"کیا واقعی؟" اس نے آنکھوں میں شرارت سموتے ہوئے بڑی توجہ سے دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔

"سفیان پلیز! آخر تم یہ احمقانہ سی باتوں اور حرکتوں سے ثابت کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"کچھ خاص نہیں۔ بس اتنا کہ ہم آپ کے خیر خواہ ہیں۔" اس کی جانب جھکتے ہوئے وہ اس انداز میں گویا ہوا کہ وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"اپنی حد میں رہو سفیان۔"

"میں نے حد پار ہی کب کی ہے؟ حد ہی میں تو ہوں۔" اس کی گھبراہٹ نے سفیان کو از حد محظوظ کیا تھا۔ جملے کی ذومعنویت نے اسے چونکا ہی تو دیا۔

"گاڑی روکو سفیان۔" اس کے چلانے پر اس نے یکلخت بریکس لگائے تھے۔ لائبہ کا سر جھٹکے سے ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔

"بدتمیز۔" وہ ماتھے کو ہاتھ سے سہلاتی ہوئی گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔ تب ہی بہت آہستگی سے سفیان نے اس کی دودھیا کلائی نہایت استحقاق سے تھام لی۔ لائبہ کے اندر ایک پھریری سی دوڑ گئی۔ اس کے لمس سے اس کے اندر ایک عجیب سا انوکھا سا احساس جاگا تھا جسے وہ کوئی نام نہ دے پائی تھی۔ بڑی بے یقینی سے وہ کتنے ہی پل یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ سفیان کے لبوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ پھیلی جسے دباتے ہوئے اس نے معنی خیز ہنکارا بھرا۔ وہ چونکی تھی اور دھیرے سے نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

"میرا ہاتھ چھوڑو پلیز۔" وہ منہ دوسری طرف کیے آہستگی سے بولی۔ سفیان ہاتھ چھوڑتے ہوئے منہ پھیر کر محظوظ کن انداز میں مسکرا دیا۔ اس کے بعد پورے راستے ان کے مابین خاموشی چھائی رہی۔

سفیان از حد مسرور تھا اور لائبہ اپنی اس نئی کیفیت پر حیران ہوتی رہی۔

"تمہیں یقین ہے کہ ان کا گھر یہیں ہے؟" سفیان نے بے یقینی سے اپنے ساتھ چلتی لائبہ کو دیکھا۔

"میرا نہیں خیال کہ مجھے بھولنے کی کوئی بیماری ہے۔" عائشہ نے بتایا تھا کہ یہاں کے لوگ نہایت مفلسی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس نے ایک گھر کا ایڈریس بھی دیا تھا جہاں ایک ماں اور چار بیٹیاں رہتی ہیں۔ کافی خوددار ہیں۔ انتہائی مفلسی کی زندگی بسر کرنے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتیں۔ بقول عائشہ کے یہ خواتین کشیدہ کاری بہت اچھی کرتی ہیں۔ ایک بڑا آرڈر کہیں سے بھی مل جائے وہ لے لیتی ہیں اور پھر سارے محلے کی خواتین اس آرڈر کو پورا کر کے دو وقت کی روٹی کما لیتی ہیں۔ اس وقت انہیں ایسے ہی لوگوں کی تلاش تھی۔ در پردہ وہ جن کی مدد بھی کریں اور انہیں احساس بھی نہ ہو۔ اسی لیے وہ اور سفیان یہاں آئے تھے۔ انہیں گاڑی کافی دور پارک کرنا پڑی تھی جس گلی سے وہ گزر رہے تھے وہ خاصی تنگ تھی۔ بمشکل ایک آدمی وہاں سے گزر سکتا تھا۔ مطلوبہ گھر ڈھونڈتے میں انہیں زیادہ

وقت نہیں ہوئی تھی۔ گھر کیا ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ خاصی خستہ حالت میں..... انہیں ایک بڑا آرڈر دے کر اور کچھ رقم تھما کر وہ زیادہ دیر وہاں رکے نہیں تھے۔ انہیں ایک دو جگہ اور بھی جانا تھا۔ گلی کے اینڈ میں ایک لڑکی (جس کی عمر تقریباً اٹھارہ سال ہوگی) بھٹے سینک کر بیچ رہی تھی۔ لڑکی کافی خوب صورت تھی۔ لائبہ نے دیکھا وہاں کافی لڑکے خواہ مخواہ نظارہ کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ جانے کیوں اسے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ اس کے پاس چلی آئی۔ سفیان حیرت سے دیکھنے لگا۔

''سنو یہ بھٹہ کتنے کا ہے؟''

''جی یہ تین کا' یہ پانچ کا' یہ دس کا..... آپ کو کون سا لینا ہے؟'' کام کرتے ہوئے وہ اس کے سوال کا جواب بھی نہایت خندہ پیشانی سے دے رہی تھی۔

''یہ دے دو۔'' سفیان اتنا تو جانتا تھا کہ اسے بھٹہ پسند نہیں پھر بھی اس نے لیا ضرور کوئی وجہ ہوگی.....

''سنو کیا تم پڑھی لکھی ہو؟''

''جی آٹھویں جماعت میں تھی جب ابو فوت ہو گئے۔ میری ماں زیادہ کام نہیں کر سکتیں۔ میرے دو بھائی اور ایک بہن چھوٹے ہیں۔ اس لیے میں نے اسکول چھوڑ دیا اور تو مجھے کچھ آتا نہیں تھا۔ میرے ابو بھی یہی کام کرتے تھے۔ اسی لیے گھر چلانے کے لیے مجھے بھی یہی کام کرنا پڑا۔''

''تمہیں پریشانی نہیں ہوتی اس طرح روڈ پر کام کرتے ہوئے؟''

''پریشانی تو ہوتی ہے جی۔ لڑکی ہوں نا۔ یہاں تو لوگ معمولی سی صورت والی کو نہیں بخشتے۔ مجھے تو اللہ نے صورت بھی اچھی دے دی ہے..... طرح طرح کی باتیں..... بے ہودہ فقرے..... گندی نظریں برداشت کرنی پڑتی ہیں..... پر کیا کروں جی مجھے اس کے علاوہ اور کچھ آتا نہیں۔ یہ بھی نہ کروں تو کھائیں کہاں سے.....؟''

''ہوں۔ اگر میں تمہیں ایک آسان اور عزت والا کام دوں۔ تنخواہ بھی اچھی دوں اور تمہاری پڑھائی بھی پھر سے شروع کرا دوں تو کرو گی.....؟'' اس لڑکی کے ساتھ ساتھ وہ بھی چونک اٹھا اور ساتھ ہی اس کی حکمت عملی پر اسے سراہے بنا نہ رہ سکا اور مسکراتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

☆.....❁.....☆

''اسامہ! میں نے تمہیں۔'' وہ برق رفتاری سے اسامہ کے کمرے میں آئی لیکن اسامہ کی بجائے سفیان کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی کہ یہ اتنی حیران کن بات نہیں تھی لیکن ان دنوں سفیان کو دیکھ کر وہ خاموش سی ہو جاتی تھی..... چونک جاتی تھی..... ٹھٹکنے لگی تھی..... جانے کیوں سفیان کی موجودگی اب اسے بری نہیں لگتی تھی بلکہ ایک انجانی سی خوشی کا احساس دلاتی تھی۔ اسے اچھا لگنے لگا تھا لیکن کبھی کبھی وہ اس اچانک افتاد پر جھنجلا سی جاتی تھی۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس نئی تبدیلی کو ختم نہیں کر پا رہی تھی۔

''رکو لائبہ! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ مڑنے لگی تھی تب ہی سفیان نے روک لیا۔

''بولو'' چاہنے کے باوجود وہ اپنے لہجے میں اس کے لیے پہلے والی سختی نہ لا پائی تھی۔

''اندر آ جاؤ لائبہ۔'' کچھ سوچتے ہوئے وہ اندر چلی آئی۔

''جو بھی کہنا ہے جلدی کہو۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں تمہاری فضول گوئی کے علاوہ۔''

''تم ہر وقت یہی کیوں جتاتی رہتی ہو کہ تمہیں ہی بہت کام ہیں۔ باقی سب فارغ بیٹھے ہیں کیا.....

اگر میری باتیں تمہیں فضول گوئی لگتی ہیں تو میرے ایک ہی بار کہنے پر رک کیوں گئیں؟" وہ معنی خیز نظروں سے بہت کچھ جتا گیا تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر جانے لگی۔ سفیان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ لائبہ کے پورے بدن میں پھریری سی دوڑ گئی۔

"رکو۔ میں مذاق کررہا تھا۔ تم تو برا مان گئیں۔" وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ خیال آتے ہی اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"اب کچھ بولو گے یا پھر گونگے کا گڑ کھالیا ہے۔" اس کی معنی خیز خاموشی سے تنگ آ کر اس نے استہزائیہ کہا۔

"سوچ رہا ہوں بات شروع کیسے کروں؟ جو بات کرنے آیا ہوں وہ سن کر کہیں تم خواہ مخواہ بلی کی طرح مجھ پر جھپٹ نہ پڑو۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ پٹڑی سے اترا۔ لائبہ نے غصے سے اس کی جانب دیکھا ضرور مگر بولی کچھ نہیں۔ سفیان کو ازحد حیرت ہوئی۔

"لائبہ! سب سے پہلے تو میں اپنے گزشتہ رویے پر تم سے معافی مانگتا ہوں مگر خدا گواہ ہے میں نے کبھی تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہا تھا بلکہ تمہیں یاد ہوگا میں نے ہمیشہ تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن تم نے ہمیشہ میرا ہاتھ جھٹکا۔ تم خود ہی مجھ سے ناراض رہتی تھیں۔ مجھے تم سے کبھی کوئی پرابلم نہیں ہوئی۔ میں خود کو بہت اکیلا سمجھتا تھا۔ تمہارے آنے سے تو مجھے ازحد خوشی ہوئی تھی لیکن تمہارے خشک رویے کے باعث مجھے بھی اپنا انداز اور لہجہ بدلنا پڑا۔ میں نے سوچا تھا شاید...... اس وقت میں اپنی صفائی میں بولنے نہیں آیا بلکہ......" کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہوا پھر گویا ہوا۔

"لائبہ! میں چاہتا ہوں تم مام کو معاف کردو۔ آئی نو میرا کوئی حق نہیں ہے تمہارے اور مام کے بیچ میں بولنے کا۔ اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ سفیان فوراً ہی بول اٹھا۔

"لیکن وہ بہت پشیمان ہیں، بہت دکھی ہیں۔ تم نے تو دیکھا نہیں مگر میں نے دیکھا ہے انہیں روتے ہوئے۔ اپنے گزشتہ رویے پر پچھتاتے ہوئے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ خود کو اس کے لیے ایک پل کے لیے بھی معاف نہیں کر پا رہیں۔ وہ بیمار رہنے لگی ہیں۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے مگر کہتی نہیں اندر ہی اندر گھٹ رہی ہیں۔"

"تو اس میں، میں کیا کرسکتی ہوں۔ انہوں نے جو بویا وہ کاٹ رہی ہیں۔" وہ بولی تو تھی مگر اس کے لہجے میں اپنی ماں کے لیے پہلے والی سختی نہیں تھی۔ چاہے جو بھی ہو وہ تھیں تو اس کی ماں ہی...... ان کی خرابی طبیعت کا سن کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں مگر یہ ضروری تو نہیں کہ جو انہوں نے کیا وہی تم بھی دہراؤ۔ تم پر بھی ان کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے فرائض نہیں نبھائے تو کیا تم بھی اپنے فرض سے کوتاہی کروگی۔ تم بھی تو گناہ کی مرتکب ہونا پسند کروگی......؟ جو میں نے کہا اس پر سوچنا ضرور...... میں تمہارا انتظار کروں گا اللہ حافظ۔" وہ ایک ہی جملے میں سب کچھ کہہ گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑی سوچتی ہی رہ گئی۔

بظاہر وہ پرسکون تھی لیکن درحقیقت طاہرہ لغاری کی ناساز طبیعت کا سن کر وہ ازحد پریشان ہوگئی تھی۔ گو وہ ان کی بے اعتنائی اور ماضی میں کیے ناروا سلوک کے باعث ان سے گریزاں تھی لیکن اس کے برعکس وہ اس کی ماں تھیں۔ بے شک انہوں نے اسے نظرانداز کیا تھا مگر وہ تو ان سے محبت کرتی تھی ناں...... اور سب سے بڑھ کر وہ ان کے وجود کا حصہ تھی۔ ایک اٹوٹ رشتہ تھا ان

کا...... وہ چاہ کر بھی خود کو روک نہ پائی تھی۔ وہ ان کے لیے فکر مند تھی۔ انہیں اس کی ضرورت تھی اور وہ دور بیٹھی ان کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ یہ سوچ کر ہی اس کے اندر بے چینی و اضطراب پھیل گیا تھا جس تکلیف میں وہ رہی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماما بھی اسی تکلیف سے دوچار ہوں جس طرح وہ اپنی ماں کی ممتا سے محروم رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماما اپنی بیٹی کی خدمت سے محروم رہیں...... جس طرح وہ دوسروں کی ماؤں کو اپنے بچوں سے پیار کرتے ہوئے حسرت سے دیکھتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی مما بھی کسی کی اولاد کو حسرت سے دیکھیں۔ انہوں نے تو اپنا وقت گنوا دیا تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ جس پچھتاوے کا شکار اس کی ماں ہوئی ہیں...... وہ بھی مستقبل میں اسی پچھتاوے کا شکار ہو۔ اسی لیے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہر بات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بنا کچھ جتائے...... اپنی ماما کے پاس جائے گی۔ اس ماں کے پاس جس کی ممتا اسے اپنی آغوش میں لینے کو بے تاب ہے پھر اسے بھی تو اپنی حسرت مٹانی تھی۔

کچھ دیر قبل سفیان کا فون آیا تھا کہ طاہرہ لغاری کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اس کی پوری بات سنے بغیر وہ بے یقینی سے ریسیور کو تکتی رہی تھی۔ ابھی تو اسے اپنی مما کے پاس جانا تھا۔ ان کی تکلیف دور کرنی تھی۔ ان کے آنسو پونچھنے تھے۔ ان کی حسرت مٹانی تھی۔ تو پھر اب یہ کیا......

اسپتال پہنچتے ہی اس کی مڈبھیڑ سفیان سے ہوگئی۔ وہ بے تابی سے اس کی جانب لپکی تھی۔

''سفیان! مما کیسی ہیں...... کہاں ہیں وہ......؟''

''ریلیکس۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں اب۔'' سفیان کو تو اپنے یقین کے سچ ہونے پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ لائبہ ضرور آئے گی۔

''کیا...... کچھ دیر قبل تو تم نے بتایا تھا کہ مما کو......''

''ہاں بتایا تھا مگر ہارٹ اٹیک انہیں دو روز قبل ہوا تھا۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''

''یہ تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ جانتے ہو کتنی پریشان ہوگئی تھی میں اور تم ہو کہ......''

''میں بتا تو رہا تھا لیکن تم نے ہی پوری بات نہیں سنی۔ جس دن مام کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ میں نے اسی روز تمہیں کال کی تھی لیکن تمہارا موبائل مسلسل آف تھا۔ گھر کے نمبر پر بھی تم نہیں مل رہی تھیں تو میں کیا کرتا......؟'' اس وقت سفیان کے انداز میں ایک الگ ہی کھنک تھی جسے لائبہ محسوس نہ کرسکی تھی۔

''مجھے مما سے ملنا ہے سفیان۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔ چلیے مادام۔'' وہ بنا کچھ جتائے اسے ان کے روم میں لے آیا اور اسے چھوڑ کر خود وہاں سے ایکسکیوز کرتے ہوئے پلٹ گیا۔ پہلی بار ماں بیٹی حقیقت میں مل رہی تھیں اور وہ دیوار نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور اندر چلی آئی۔ اسی پل بیڈ پر دراز طاہرہ لغاری نے بھی دروازے کی سمت دیکھا تھا اور لائبہ کو وہاں پا کر وہ بے یقینی اور خوشی سے کچھ بول ہی نہ پائیں۔ بس یک ٹک دیکھتے ہوئے اس کے ہونے کا یقین کر رہی تھیں۔ بہت دیر بعد انہیں اس خوب صورت حقیقت کا ادراک ہوا تھا۔ لائبہ نظریں جھکائے ہونٹ دانتوں سے کچلتی ہوئی وہیں کھڑی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ مخاطب کیسے کرے......؟ طاہرہ لغاری فوراً اس کی جھجک بھانپ گئیں۔

''لائبہ!'' ان کی پکار پر اس نے فوراً ان کی جانب دیکھا تھا۔ ان کی پھیلی ہوئی بانہوں کو دیکھ کر آنسوؤں کی جھڑیاں تھیں جو اس کی آنکھوں سے رواں تھیں

www.pkdigest.com

طاہرہ کی حالت بھی اس سے الگ نہیں تھی۔
"میری بیٹی میرے پاس نہیں آئے گی کیا؟" وہ تڑپ اٹھی تھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے ان کی بانہوں میں سما گئی۔ اس نے انہیں اتنی مضبوطی سے جکڑا تھا جیسے پھر سے کھو جانے کا اندیشہ ہو۔ دونوں ماں بیٹی ایسے ملی تھیں جیسے زندگی میں پہلی بار مل رہی ہوں۔ جیسے ان کے مابین کوئی رنجش، کوئی ناراضگی نہ ہو......
دونوں نے ہی کسی پر کچھ نہیں جتایا تھا۔ کوئی معافی تلافی نہ ہوئی تھی۔ کوئی گلہ شکوہ نہ کیا تھا۔ اپنے گزرے ہوئے ماہ وسال کو ان آنسوؤں کے سپرد کر دیا تھا جو ان کی آنکھوں سے شاید آخری بار بہہ رہے تھے۔ دروازے کے بیچ کھڑا اسفیان ان کے ملن پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوا پلٹ گیا تھا۔

☆......❁......☆

"سیفی بیٹا! یہ لائبہ کدھر رہ گئی ہے؟ پانچ بجے کا آنے کو کہہ گئی تھی۔ اب تو چھ بجنے والے ہیں اس کے موبائل پر کال تو کرو۔ اتنا لیٹ کیوں ہو رہی ہے؟"
"اوفوہ بابا حد کرتے ہیں آپ۔ بچی نہیں ہیں محترمہ آ جائیں گی۔ دیکھ رہی ہیں مام۔ میں پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ میری کوئی پروا نہیں ہے انہیں۔" اس نے شرارت سے طاہرہ لغاری کو شکایت لگائی۔ وہ دونوں اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرا دیے تھے۔ ان دنوں لغاری پیلس میں خوشیوں بھرا ماحول بنا رہتا تھا۔ اس میں لائبہ کے ساتھ ساتھ سفیان کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ وہ سفیان ہی تھا جس نے لائبہ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ جو کر رہی ہے اس میں نرا خسارہ ہے...... جس کوتاہی کی سزا اس کی ماں بھگت رہی ہے اس کو پھر سے دہرانا زندگی کی سب سے بڑی بھول ہوگی اور یہ وہ سمجھ گئی تھی۔ اسی لیے اس نے قدم بڑھانے میں دیر نہیں کی تھی۔

"آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بابا آخر محترمہ خودمختار ہیں اور پھر اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں۔ چوڑیاں تھوڑا ہی پہنی ہیں انہوں نے......" بابا کے دوبارہ کہنے سے اس نے کہا تھا تب ہی اس کی نظر لائبہ پر پڑی تو جان بوجھ کر اتنی اونچی آواز میں بولا کہ وہ باآسانی سن سکے۔
"السلام علیکم ماما بابا!" وہ اسے اور اس کی پرشوخ آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے سکندر لغاری کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔
"ارے آ گئیں بیٹا! اتنی دیر لگا دی آنے میں......؟"
"آئم سوری بابا! اچانک ہی ایک امپورٹنٹ کام آن پڑا تھا اس لیے لیٹ ہو گئی۔"
"لائبہ بیٹا! فریش ہو جاؤ پھر اکٹھے چائے پیتے ہیں۔"
"جی ماما! میں ابھی آتی ہوں۔ انہیں جواب دے کر وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ سفیان کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ اسے از حد تکلیف ہوئی تھی۔ وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس کی پشت کو گھورتا رہا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا مگر یہاں تو کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے تو سب کچھ ویسا ہی تھا۔
"ہوں ہوں۔" معنی خیز ہنکارے نے اسے یکلخت چونکایا تھا۔ سکندر لغاری آنکھوں میں شرارت لیے اس کی جانب متوجہ تھے۔ وہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔
"کیا بات ہے صاحبزادے! کوئی مسئلہ ہے کیا؟" وہ خاصے دور اندیش تھے۔ بیٹے کی بدلی کیفیت کو فوراً نوٹ کر گئے مگر فی الحال وہ اس کے منہ سے سننا چاہتے تھے۔
"جی نہیں بابا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"
"میں تمہارا باپ ہوں بیٹا جی۔" انہوں نے معنی خیزی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں بابا۔" وہ شریر ہوا تھا۔

"جانتے ہو تو پھر فوراً بتا دو ورنہ ہم بھی خاصے اثر رسوخ والے ہیں۔"

"اب بتا بھی دو سیفی کیونکہ تمہارے بابا تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے والے۔" اب کے طاہرہ لغاری بھی بول اٹھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ تو......"

"اب بتا بھی دو یار شرما کیوں رہے ہو؟" سفیان نے اچنبھے سے دیکھا۔

"ہائیں۔ میں شرما کب رہا ہوں بابا؟"

"تم بتا کیوں نہیں رہے سفیان؟" اب کے طاہرہ لغاری نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے شادی کر لینی چاہیے۔" جو وہ سوچ رہا تھا اس کے برعکس بول اٹھا اور پھر بول کر پچھتایا بھی۔

"بہت اچھی بات ہے لیکن یہ اتنا اچانک خیال کیونکر آیا؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں شکر کریں اسے خیال تو آیا اب کیا بال کی کھال اتاریں گے؟"

"ٹھیک ہے بھئی۔ نہیں اتارتے بال کی کھال لیکن صاحبزادے سے پوچھئے تو سہی شادی کا خیال تو آیا ہے لڑکی بھی ہے کوئی نظر میں......؟"

"بتایئے صاحبزادے؟" طاہرہ لغاری شریر ہوئیں۔ سفیان کچھ پل سوچتا رہا پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر گویا ہوا۔

"مام! میں سوچ رہا تھا کہ آپ کو بیٹی بہت عرصے بعد ملی ہے۔ اگر اس کی شادی ہو گئی تو آپ پھر سے اکیلی ہو جائیں گی تو میں سوچ رہا تھا کہ......" وہ یکلخت چپ ہوا تھا۔

"کہ......" سکندر لغاری نے معنی خیزی سے کہا جب کہ طاہرہ لغاری نے ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

"کہ کیوں نہ اسے اسی گھر میں رکھ لیں......مم میرا مطلب ہے کہ......" وہ ہٹپٹا کر چپ ہو گیا۔

"آگے بھی تو بولو یار یہ کیا......کہ پر ہی ٹھہر گئے ہو؟" سکندر لغاری نے بے صبری سے کہا تھا۔ وہ جان تو گئے تھے اس کا مدعا لیکن اس کے منہ سے سننا مقصود تھا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ کیوں نہ لائبہ کو یہیں ساس بھی مل جائے اور ماں بھی۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے انتہائی تیزی سے کہہ دیا۔ سکندر لغاری اس کے انداز پر مسکرا دیے تھے۔ سفیان نے جھجکتے ہوئے طاہرہ کی جانب دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی سی تھی۔ انہوں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا مگر اس وقت جو سفیان نے کہا تھا اس نے ایک انوکھی خوشی عطا کی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اتنی خوش نصیب ہوں۔ مجھے تم جیسا بیٹا ملا۔ تم نے مجھے اتنی خوشی دی ہے سیفی کہ...... تھینک یو بیٹا تھینک یو ویری مچ۔" وہ تشکر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اتنا کٹھن مرحلہ باآسانی طے ہو جانے پر اس نے طمانیت سے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

☆......❁......☆

آج بہت دنوں بعد وہ سب اپنے فیورٹ ریسٹورنٹ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ گزرے کچھ عرصے میں وہ اتنے بزی ہو گئے تھے کہ اکٹھے بیٹھنے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ جس کام کو ان پانچ لوگوں نے مل کر شروع کیا تھا۔ آج خاصے بڑے پیمانے پر پھیل چکا تھا۔ کتنے ہی قدم آج ان کے ہم قدم تھے۔ ان کا ایک قدم بہت سے لوگوں کی خوشیوں کا سبب بنا تھا۔ لائبہ نے جب یہ سب کرنے کی ٹھانی تھی تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب مینج کر پائے گی مگر خدا نے اسے ہمت دی تھی۔ اسے بامقصد راستہ دکھایا تھا اور اس پر اسے ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔

"ہارون! ایسے ہی ایک دن، ہم عادی کی برتھ ڈے

www.pkd

پارٹی میں اکٹھے ہوئے تھے اور میں نے یہ آئیڈیا دیا تھا کچھ کرنے کا.....اور تم نے کہا تھا کہ ہم چار لوگ کیا کر لیں گے تب کی صورت حال اور اب کی صورت حال تمہارے سامنے ہے۔ اب کیا کہتے ہو.....؟ تمہارا خیال سچ ثابت ہوا ہے یا میرا یقین.....؟"

"تمہارا یقین ہی سچ ثابت ہوا ہے۔ یہ تمہارا یقین ہی تو تھا جس نے ہمیں کچھ کرنے کی ہمت دی اور تمہارے یقین کے سچ ثابت ہونے اور اپنے خیال کے رد ہونے پر مجھے ازحد خوشی ہے۔"

"تو تم مانتے ہو کہ میں فاتح ٹھہری....." اب وہ شرارت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"بالکل ہماری مجال جو آپ کو مفتوح ٹھہرائیں۔ آپ جیتیں ہم ہارے..... ہم نے تسلیم کرلیا ہے۔ اب آپ اور کیا چاہتی ہیں؟" اس کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی محظوظ ہورہے تھے۔

"کچھ خاص نہیں بس اتنا کہ اپنی ہار کی خوشی میں آج کا لنچ تمہاری طرف سے.....کیوں دوستو.....؟"

سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ بس یا اور کچھ؟"

"اتنا کافی ہے اور عادل تمہاری نیا کب پار لگ رہی ہے؟" اسے جواب دیتے ہوئے اس نے عادی کو مخاطب کیا تھا۔

"ہماری تو ہر نیا پار لگتی ہے۔ آپ کس نیا کی بات کررہی ہیں محترمہ؟" عادل کی جانب سے حسب توقع جواب موصول ہوا تھا۔

"اسی نیا کی جس میں تم دونوں سوار ہونے والے تھے۔" اس نے علیشا کی جانب اشارہ کیا۔

"آہا۔ کیا کہتی ہو دوست۔" اس نے ایک سرد آہ بھری تھی۔ "زندگی کی ہر نیا پار کرلی لیکن ہمارے دشمن ہماری یہ نیا پار لگنے ہی نہیں دے رہے۔" عادل نے دکھی لہجے میں کہتے ہوئے علیشا کی جانب اشارہ کیا۔

لائبہ کو حیرت ہوئی۔

"کیوں علیشا؟"

"میں ابھی بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں لائبہ! زندگی کا مقصد صرف شادی تو نہیں ناں۔ ابھی میں اس جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔ آخر میری ذات پر میرا حق تو ہے ناں مگر یہ عادل.....؟"

"ایک منٹ علیشا! یہ جو لفظ تم نے کہا ہے میری ذات۔ اس لفظ کو کبھی خود پر مسلط نہ کرنا۔ بعض معاملات میں کبھی اپنی ذات کو ترجیح مت دینا کیونکہ کبھی کبھی یہ میری ذات ہم سے بہت کچھ چھین لیتی ہے اور ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا جب احساس ہوتا ہے تب ہمارے پاس صرف پچھتاوے ہوتے ہیں اور پچھتاوے کبھی مداوا نہیں کرتے.....صرف ڈستے ہیں اس لیے میرا مشورہ یہی ہے جو بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا کیونکہ ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

gest.com

اچانک لائبہ کو اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا اور اپنی نظروں کے عین سامنے سفیان کو بیٹھا دیکھ کر چونک اٹھی تھی۔ وہ بڑی بے باک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جب بہت دیر تک اس نے اپنی نظروں کا زاویہ نہ بدلا تو اس نے سٹپٹا کر نظریں چرائی تھیں۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" وہ سر جھکائے ان سب کی نوک جھونک سن رہی تھی۔ ایک مانوس پرجوش آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اپنی تمام تر وجاہت سمیت اس کے عین سامنے کھڑا اس کی سٹپٹاہٹ کو انجوائے کررہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم یہاں آئے ہیں؟" علیشا نے اپنی دانست میں عقل مندانہ سوال کیا تھا۔

"یار ڈھونڈنے والے تو خدا کو بھی ڈھونڈ لیتے ہیں پھر یہ تو ایک انسان ہے۔" جواب اسے دے رہا تھا اور نظریں لائبہ کا طواف کر رہی تھیں۔ اسے ازحد کوفت محسوس ہوئی۔

"کس انسان کو ڈھونڈ رہے تھے اور کیوں؟" ایک اور بے وقوفانہ سوال...... اسامہ نے دانت پیسے۔ ایک وہی تھا جو سفیان کی کیفیات جانتا تھا۔ باقی سب فی الحال لاعلم تھے۔

"ہے کوئی جو مجھے مسلسل نظر انداز کر رہا ہے۔ سوچا چل کر سبب ہی معلوم کیا جائے مگر وہاں تو ہنوز خاموشی ہے۔" اس کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا البتہ جس کے لیے یہ جملہ کہا گیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی لیکن دانستہ چپ تھی کیونکہ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اور وہ ایسا کیوں کر رہی ہے......؟ اپنے اندر کی بدلی کیفیت اسے ٹینس کر رہی تھی جو وہ سوچ رہی تھی اگر ایسا ہی ہو تو پھر......؟ اس "پھر" کے آگے وہ بے دم ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی پریشان تھی اور اس کی تکلیف کا باعث بھی بن رہی تھی۔

ڈنر کے بعد لائبہ وہاں سے چلی گئی تو سفیان کو ایک کمی سی...... ایک ادھورا پن محسوس ہونے لگا۔ جب تک وہ اس کے سامنے رہتی اسے ایک سرخوشی کا سا احساس ہوتا تھا مگر جوں ہی وہ منظر سے غائب ہوتی۔ سفیان کے اندر خوشیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر پل میں ساکت ہو جاتا تھا۔ ابھی بھی جب وہ وہاں سے گئی تھی تو سفیان کو ایسے لگا جیسے چراغوں میں روشنی نہ رہی ہو۔ وہ بھی چپکے سے وہاں سے اٹھ گیا اور اس کی تلاش میں چلا آیا۔ شومئی قسمت وہ اسے لان میں رکھے سنگی بینچ پر بیٹھی دکھائی دے گئی۔ وہ دبے قدموں اس کی جانب چلا آیا اور آہستگی سے بینچ کی دوسری سائیڈ پر براجمان ہو گیا۔ لائبہ کو جوں ہی اس کی موجودگی کا احساس ہوا وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔

"مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہیں؟ نظر انداز کیوں کر رہی ہو مجھے......؟" وہ شکوہ کر رہا تھا۔

"خاموشی کسی بھی سوال کا جواب نہیں ہوتی۔"

"میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔"

"ہوں۔ جانتا ہوں مگر اس دل کا کیا کیجیے جو تمہارے نظر انداز کرنے اور بے اعتنائیوں کے باوجود تمہاری طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ ہر بار مجھے بے بس کر دیتا ہے۔ اب دل تو انا کے تابع نہیں ہوتا ناں۔ ہم خود کو تو انا کا غلام بنا لیتے ہیں مگر یہ کمبخت دل...... یہ کب کسی کی سنتا ہے......" وہ اپنا مدعا اتنے واضح الفاظ میں کہہ گیا تھا کہ لائبہ کچھ پل کے لیے کچھ بول ہی نہ پائی تھی۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟" خود کو سنبھالتے ہی اس نے استفسار کیا تھا۔

"بتایا تو ہے۔ یہ جو دل ہوتا ہے ناں۔ سمجھ بوجھ سے بے بہرہ ہوتا ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اپنی مرضی کی ہر بات کہلوا لیتا ہے۔ کچھ سوچتا ہی نہیں...... سمجھتا ہی نہیں۔" اس وقت وہ اسے بے بسی کے انتہا درجے پر لگا۔

"جانے کیسی بے ہودہ باتیں کر رہے ہو۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ چلتی ہوں میں......" تب ہی سفیان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تھام لیا۔ وہ ایک دم ڈھیلی پڑی تھی......

"مجھے جانے دو سفیان۔"

"نہیں لائبہ! آج نہیں۔ آج تمہیں جواب دینا ہوگا میرے ہر سوال کا...... آج میں چاہوں بھی تو خود کو روک نہیں سکتا...... بہت روکا ہے میں نے خود کو مگر اب نہیں...... بہت بے بس ہو گیا ہوں...... ٹوٹ رہا ہوں میں...... اس دل نے میری انا کو منہ کے بل گرا

کیوں......؟ مگر میں تم سے محبت کر بیٹھا ہوں۔ یہ احساس بہت پہلے میرے اندر جاگزیں ہو گیا تھا مگر میں اسے ہمیشہ جھٹلاتا رہا' جھٹکتا رہا' اپنی سوچ کو ہمیشہ روکرتا رہا مگر میں ہار گیا۔ جس سوچ کو میں جھٹکتا رہا۔ اس نے مجھ پر غلبہ پالیا ہے جس بات کو میں الفاظ دینے سے گریزاں تھا۔ اسی نے مجھے سرتاپا اپنی لپیٹ میں لے لیا...... جس جذبے کو میں نام نہیں دے رہا تھا آج میں بے بس ہو گیا ہوں۔ اس دل نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ تمہاری بے اعتنائی اب مجھے تکلیف دینے لگی ہے۔ تمہارا مجھے نظرانداز کرنا میں برداشت نہیں کر پا رہا...... میں جاننا چاہتا ہوں آخر ایسا کون سا قصور سرزد ہو گیا ہے مجھ سے کہ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہو......؟ میں جو بھی سمجھ رہا ہوں کہیں وہی تو اس کی وجہ نہیں کہیں تم بھی......"

"ک ک...... کیا مطلب ہے تمہارا......؟ کیا سمجھ رہے ہو تم؟" وہ یکلخت سٹپٹائی تھی۔

"یہی کہ ہار تو تم بھی گئی ہو مگر تمہاری یہ انا تمہیں اس ہار کو قبول کرنے نہیں دے رہی۔"

"ہرگز نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس کی زبان پہلی بار لڑکھڑائی تھی۔

"تمہاری زبان کی لڑکھڑاہٹ تمہاری ہار کا پتہ دے رہی ہے لائبہ تو پھر تم انکاری کیوں ہو......؟ مان کیوں نہیں لیتیں......؟" اب کی بار اس نے پورے وثوق سے کہا تھا۔

"سفیان پلیز! تم کیا کہہ رہے ہو میں سمجھ نہیں پا رہی۔ فی الحال میں جا رہی ہوں۔" وہ جانے کو پلٹی۔ سفیان کو ایک دم غصہ آیا تھا۔ تب ہی اس نے نہایت سختی سے اس کا بازو تھام کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ شاید اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھی۔ اسی لیے جھٹکے سے اس کے بال سفیان کے چہرے کو ڈھانپ گئے۔ سفیان کے غصہ پر اچانک اوس پڑی تھی۔ اس کے بالوں کی مہک نے اسے یکلخت مدہوش کر دیا تھا۔ وہ کتنے ہی پل ساکت سا سانس روکے بیٹھا رہا جیسے وہ اس لمحے کو قید کر لینا چاہتا ہو جیسے وقت کو یہیں روکے رکھنے کا ارادہ ہو۔ لائبہ نے ہوش میں آتے ہی علیحدہ ہونا چاہا مگر سفیان نے اسے الگ نہیں ہونے دیا۔ لائبہ نے غصے اور شرمندگی وحیا کے ملے جلے تاثرات لیے خود کو جھٹکے سے چھڑایا تھا۔

"یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے سفیان؟ ہوش میں تو ہو تم؟" لائبہ کے شرم سے لال چہرے نے اسے نظریں چرانے پر مجبور کیا تھا۔

"آئی ایم سوری لائبہ! میں...... مجھے...... ایکچوئیلی۔" وہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ اپنی اس "چیپ" حرکت پر وہ جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا۔

"لائبہ! رک جاؤ ناں۔ مت جاؤ پلیز۔" اس کے التجائیہ انداز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رک گئی تھی۔

"تم اور تمہارے ہر ہر انداز نے مان لیا ہے کہ تم ہار گئی ہو تو کہہ کیوں نہیں دیتیں......؟ اس خاموشی کی کیا وجہ ہے......؟ آخر اتنا کیوں سوچ رہی ہو؟ کیا تمہیں مجھ میں کوئی کھوٹ نظر آتا ہے...... یا میں تمہیں اپنے قابل نہیں لگتا......؟ آخر ایسی کیا خرابی ہے مجھ میں کہ......" اس بار اس نے کچھ اس انداز سے کہا تھا کہ وہ اس کے سامنے اپنی ہار کا اعتراف کرنے سے خود کو روک نہیں پائی تھی۔

"کوئی خرابی نہیں ہے تم میں۔ کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ ہاں...... میں...... میں ہار گئی ہوں سفیان۔ تمہارے منہ زور جذبوں نے مجھے اپنی لپیٹ میں

gest.com

مان تو میں بہت پہلے چکی تھی لیکن میری انا یہ گوارہ نہیں کر رہی تھی کہ میں اپنے دشمن کے سامنے پسپائی کا اعتراف کروں مگر میں خود سے لڑتے لڑتے تھک گئی ہوں۔ اب اور نہیں سہا جاتا۔'' سفیان منہ کھولے حیرت کی تفسیر بنا ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ لائبہ نے کہا ہے..... جب اس خوب صورت حقیقت کا ادراک ہوا تو اس نے جھٹکے سے اس کا منہ اپنی جانب کیا تھا۔

''تم..... تم سچ کہہ رہی ہو لائبہ.....''

''ہوں۔ ہاں۔'' وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔ اس نے شاید اپنے لیے لائبہ کے چہرے پر مسکراہٹ پہلی بار دیکھی تھی۔

''تھینک گاڈ! یار لگتا ہے بہت لمبی مسافت طے کر کے آیا ہوں۔ جانتی ہوں تمہارا سلوک دیکھ کر میں نے سوچا تھا شاید کسی نئی دشمنی کا آغاز ہونے والا ہے۔''

''سفیان!'' اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

''آئم سوری۔ سو اب ہماری صلح ہوگئی ہے تو اب میں تمہیں یاد دلا ہی دوں کہ میرا ایک قرض تم پر ادھار ہے۔''

''کیا تمہارا قرض.....؟ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اس سے قبل ہمارے درمیان صلح جو انداز میں کبھی بات بھی ہوئی ہو اور مجھے تم سے قرض لینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو تو پھر یہ کون سا قرض ہے جو میں نے تم سے لیا ہے اور مجھے یاد ہی نہیں.....؟'' اس نے ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کبھی ایسا سازگار ماحول بنا ہی نہیں۔ اس کے باوجود تم میری قرض دار ہو۔''

''اوفوہ۔ اب بتا بھی دو آخر اتنا تجسس کیوں پھیلا رہے ہو؟'' وہ جھنجھلائی تھی۔

''یاد ہے تمہیں۔ تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ کوئی تمہیں اسپتال لے کر گیا تھا اور اس نے تمہیں بلڈ ن دیا تھا.....

''ہاں تو.....؟''

''تو..... جانتی ہو وہ کون تھا؟''

''کون تھا.....؟ مجھے کیا پتہ میں تو..... واٹ کیا تم.....؟'' اس کے مسکرا کر اپنی جانب اشارہ کرنے پر وہ یکلخت چلائی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''کیونکہ مجھے ایسے ہی وقت کا انتظار تھا جب تم سے اپنا قرض سود سمیت وصول کروں۔'' اس کی بات کی گہرائی نے اسے کانوں تک سرخ کر دیا تھا۔ سنبھلتے ہی گویا ہوئی۔

''شرم کرو ہمارے مذہب میں سود لینا حرام ہے۔'' ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا گیا۔

''ہوسکتا ہے یہ سود حلال ہو۔ ہاں تو یہ سود کب تک لوٹانے کا ارادہ ہے.....؟'' بہت بے باکی سے دیکھتے ہوئے استفسار ہوا۔

''منہ دھو رکھیے محترم! میں اتنی جلدی ہاتھ تو نہیں آنے والی.....''

''منہ تو آپ دھو رکھیے محترمہ کیونکہ آپ کی گرفتاری کے وارنٹ ہائی کورٹ سے جاری ہوچکے ہیں۔'' اس کے مزے سے کہنے پر اسے ایک دم جھٹکا لگا تھا۔

''کیا.....؟'' بے یقینی سے دیکھا۔ سفیان خواہ مخواہ کالر جھاڑنے لگا۔ ''سفیان.....''

''میں..... میں کیا لائبہ؟'' وہ شرارت سے اس کی جانب جھکا۔

''تم بڑے ایڈیٹ ہو۔''

''ہوں تو مگر صرف تمہارا۔'' اس کے کان کے قریب سرگوشی ہوئی تھی۔ وہ سمٹ کر رہ گئی۔

www.pkd